مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)

باہتمام : حضرت اشفاق قاسمی
طبع جدید : ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ، اپریل 2010ء
مطبع : احمد برادرز پرنٹرز، کراچی۔
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : (021) 35031565, 35031566
ویب سائٹ : www.onlineshariah.com
www.quranicpublishers.com
ای میل : info@quranicpublishers.com

ملنے کے پتے:

- مکتبہ معارف القرآن کراچی
فون: 35031565, 35031566
- ادارۃ المعارف کراچی
فون: 35049733 - 35032020

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ○

اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا اس لئے پیدا فرمائی ہے کہ اس کے بندے یہاں رہ کر اپنے نیک اعمال کے ذریعے اپنی آخرت کا سامان کریں، اور اور ایسے کام کریں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو۔

لیکن ہم لوگ دُنیا کے کاروبار میں لگ کر اپنی زندگی کے اس اصلی مقصد سے غافل ہو رہے ہیں، ہماری صبح سے لے کر شام تک کی زندگی اپنی دُنیا کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور زیادہ سے زیادہ مزے دار بنانے کی دوڑ دُھوپ میں صَرف ہو رہی ہے، اور اس دوڑ دُھوپ میں بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جنھیں اپنی آخرت کو بہتر بنانے کا خیال آتا ہو۔ حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے جس سے کوئی دہریہ بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ایک دن اس دُنیا سے جانا ہے اور جانے کا وقت مقرر نہیں، خدا جانے کب بلاوا آجائے؟

اسلام نے آخرت کو بہتر بنانے کے لئے جو طریقے بتائے ہیں،

درحقیقت وہ کچھ مشکل نہیں ہیں بلکہ اگر اِنسان ان طریقوں کو اِختیار کرے تو اس کی دُنیا بھی پُرسکون ہو جاتی ہے۔ لیکن آج کل ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ایک مشکل کام ہے، جس کے لئے اپنے بہت سے دُنیوی مفادات، بہت سی لذتیں اور بہت سا عیش و آرام قربان کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس مشکل کا تصوّر کر کے اس راہ پر چند قدم چلنا بھی شروع نہیں کرتے۔

حالانکہ اوّل تو اِسلامی اَحکام اپنی ذات میں مشکل نہیں ہیں اور جو اللہ کا بندہ ان پر عمل کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد بھی ہوتی ہے اور اس کی دُنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔

دُوسرے اگر بالفرض کسی حکم پر عمل کرنے میں کچھ مشقت یا دُشواری بھی ہو تو وہ دُشواری آخرت کے ابدی اور سرمدی فائدوں کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ آخر ہر اِنسان روزی کمانے کے لئے محنت اُٹھاتا ہی ہے اور اس محنت کو پسند بھی کرتا ہے، اس لئے کہ معلوم ہے کہ اس کے نتیجے میں روزی ملنے والی ہے۔ اسی طرح اگر اِسلامی اَحکام پر عمل کرنے کے نتیجے میں آخرت کی وہ نعمتیں ملنے والی ہیں جن کا اس وقت ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے تو اس عظیم مقصد کے لئے تھوڑی سی مشقت سے کیوں گھبراہٹ ہو؟

تیسری بات یہ ہے کہ اسلامی اَحکام اور تعلیمات میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن پر عمل کرنے میں کچھ تھوڑی بہت محنت کرنی پڑتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت سے اعمال ایسے بتائے ہیں جن پر عمل کرتے میں نہ کوئی خاص محنت کرنی

پڑتی ہے، نہ بہت سا وقت صَرف ہوتا ہے، نہ زیادہ پیسے خرچ ہوتے ہیں، بس ذرا سے دھیان کی بات ہے، اگر انسان ذرا دھیان سے کام لے تو کسی خاص محنت یا خرچ کے بغیر اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور اگر انسان ان اعمال کی پابندی کر لے تو اِن شاء اللہ بیٹھے بٹھائے آخرت کا بہت سا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔

نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کی آج ہمیں کما حقہٗ قدر و قیمت معلوم نہیں ہے، لیکن جس دن یہ آنکھیں بند ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی اور حساب و کتاب کا مرحلہ پیش آئے گا اُس دن پتہ چلے گا کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی کیا قیمت ہے؟ وہاں کا سکہ روپیہ پیسہ نہیں ہے، وہاں سونا چاندی کام آنے والا نہیں ہے، وہاں کا سکہ تو یہی نیکیاں ہوں گی اور یہی سوال ہوگا کہ اپنے دامن میں کتنی نیکیاں لے کر آئے ہو؟ اُس وقت اگر دامن خالی ہوا تو حسرت اور ناقابلِ برداشت حسرت ہوگی کہ ہم نے دُنیا میں رہتے ہوئے اپنے نامۂ اعمال میں اضافہ کیوں نہ کر لیا؟ لیکن عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا اس لئے یہ حسرت کچھ کام نہیں آسکے گی۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو ان نیکیوں کی قدر و قیمت معلوم تھی، وہ ان نیک کاموں کے حریص تھے، جہاں کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں فوراً اس پر عمل شروع کر دیا اور جس عمل کا ثواب ہونا انہیں دیر سے معلوم ہوتا، اس پر افسوس کا اظہار کرتے کہ یہ بات ہمیں پہلے معلوم نہ ہوئی ورنہ ہم پہلے سے اس نیکی کو معمول بناتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ جو شخص کسی جنازے کی نماز پڑھے، اس کو ایک قیراط[1] ثواب ملتا ہے، اور جو میّت کے دفن ہونے تک جنازے کے پیچھے جائے اسے دو قیراط ملتے ہیں، جن میں سے ایک اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے بے ساختہ فرمایا کہ: ہم نے تو بہت سے قیراط بلا وجہ ضائع کر دیئے۔ (جامع ترمذی)

غرضیکہ ہر وہ نیک کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب بنے، بڑی قابلِ قدر چیز ہے، اور دُنیا میں رہ کر ہی اس سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، اور خاص طور سے ایسے نیک کام جنہیں انجام دینے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی، انہیں صرف بے پروائی اور غفلت کی وجہ سے چھوڑ دینا تو اتنے گھاٹے کا سودا ہے کہ آخرت میں اس کی حسرت ناقابلِ برداشت ہوگی۔

لہٰذا خیال آیا کہ ایک مختصر رسالے میں ایسی آسان نیکیوں کی ایک فہرست جمع کر دی جائے جن کو اَنجام دینے میں نہ کوئی خاص محنت خرچ ہوتی ہے، نہ کوئی خاص وقت لگتا ہے، بس ذرا سی توجہ کے ذریعے انسان کے نامۂ اعمال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ ان زرّیں اعمال کو غور اور جذبے

---

[1] قیراط ایک پیمانہ ہے جس سے سونا چاندی تولے جاتے تھے۔

کے ساتھ پڑھیں اور ان کو اپنی زندگی کے معمولات میں شامل فرمائیں، کیا بعید ہے کہ یہی بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہماری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنادیں اور ان کے ذریعے ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے احقر کو اور سب مسلمانوں کو ان پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ہماری عاقبت بخیر فرمادیں، آمین ثم آمین۔

احقر
محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی
۱۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

چند ضروری باتیں

اس کتاب میں اُن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی انجام دہی میں کوئی خاص مشقت یا محنت اُٹھانی نہیں پڑتی، لیکن ان کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان آسان نیکیوں پر عمل کرنے اور انہیں آخرت کا ذخیرہ بنانے کا داعیہ دِلوں میں پیدا ہو، لیکن اس کتاب کو پڑھتے وقت مندرجہ ذیل باتیں ذہن نشین کرنی ضروری ہیں۔

① اس کتاب کا موضوع چونکہ صرف ان نیکیوں کا بیان ہے جو نہایت آسان ہیں اور ہر شخص انہیں کسی خاص مشقت کے بغیر فوراً شروع کرسکتا ہے، اس لئے اس میں فرائض وواجبات اور دُوسرے بہت سے ضروری اعمال کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دِین صرف ان اعمال میں منحصر نہیں ہے جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔ دِین کے اَحکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام ارکان، فرائض اور واجبات کو بجا لائے، اور گناہوں سے پرہیز کرے، لیکن اس کتاب کے دو مقصد ہیں:-

ایک مقصد تو یہ ہے کہ جو حضرات پہلے سے فرائض وواجبات کا اہتمام

کرتے ہیں اُن کو مزید ایسے اعمال کی ترغیب دی جائے جو ان کے نامۂ اعمال میں بآسانی بیش قیمت اضافہ کرسکیں۔ اور دُوسرا مقصد یہ ہے کہ جو حضرات دِین کو مشکل سمجھ کر اس سے بالکل غافل ہو بیٹھے ہیں ان کو ایسے آسان اعمال کی ترغیب دی جائے جن کو شروع کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، اور وہ ان آسان اعمال سے دِین کی طرف پیش قدمی کا فوراً آغاز کرسکتے ہیں اور اُمید یہ ہے کہ اگر ان آسان اعمال کی انہوں نے پابندی کرلی تو اِن شاء اللہ ان کے دِل میں رفتہ رفتہ دِین کے تمام اَحکام پر عمل کی رغبت پیدا ہوگی اور بالآخر مکمل دِینی زندگی کو اَپنانا ان کے لئے آسان ہوجائے گا۔

(۲) دُوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب میں جگہ جگہ ایسی احادیث درج ہیں جن میں بعض آسان اعمال پر گناہوں کی مغفرت کے وعدے کئے گئے ہیں، ایسی احادیث کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ نیک اعمال سے جو گناہ خود بخود معاف ہوجاتے ہیں ان سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں۔ جہاں تک گناہِ کبیرہ کا تعلق ہے وہ قاعدے سے توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:۔

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَيِّاٰتِکُمۡ۔ (النساء:۳۱)

ترجمہ:۔ اگر تم ان بڑی بڑی چیزوں سے پرہیز کرو جن سے تم کو روکا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کرتے رہیں گے۔

اسی طرح وہ گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک یا تو حق دار کو اس کا حق پہنچا نہ دیا جائے یا حق دار اس کو معاف نہ کر دے۔

لہٰذا اس کتاب میں مختلف نیکیوں کے تحت جو گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ خواہ کسی قسم کے کتنے ہی گناہ کرتا رہے توبہ کے بغیر بھی چند آسان اعمال کے ذریعے وہ ان کو معاف کراتا رہے گا۔

دراصل جس ماحول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف نیکیوں پر گناہوں کی معافی کا ذکر فرمایا ہے، وہاں یہ تصوّر مشکل ہی سے آتا تھا کہ کوئی مؤمن کسی کبیرہ گناہ میں ملوّث ہوگا اور اس سے توبہ نہیں کرے گا، لہٰذا لوگوں کے زیادہ تر گناہ صغیرہ ہوتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی معافی کا ذکر فرمایا ہے، اس سے گناہِ کبیرہ کی سنگینی اور توبہ کی ضرورت واہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

(۳) ان دو باتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ دُوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نہ بھولنا چاہئے کہ:-

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا۔

ترجمہ:- نیکی کی کسی بات کو ہرگز حقیر نہ سمجھو۔

لہٰذا شیطان کے اس دھوکے میں کبھی نہ آنا چاہئے کہ اگر ہم دین کے بڑے بڑے کام کرنے سے محروم ہیں تو یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہمیں کیا فائدہ پہنچا

سکیں گی؟ واقعہ یہ ہے کہ نیکی کا کوئی عمل چھوٹا نہیں ہے اور جس وقت جس نیکی کی توفیق ہو جائے اسے غنیمت سمجھ کر ضرور کر لینا چاہئے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی کو قبول فرمالیں تو اس کی برکت سے ہماری باقی زندگی بھی دُرست ہو جائے۔

اس جذبے اور اس اعتدالِ فکر کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ اِن شاء اللہ مفید ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی بارگاہ میں اس کو قبول فرمائیں اور دِین کے تمام اَحکام پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

① اچھی نیت

''نیت'' کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو وہ نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے جس کے ذریعے ہر مسلمان ذرا سی توجہ سے مٹی کو بھی سونا بنا سکتا ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

بعض لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اچھی نیت سے غلط کام بھی ٹھیک ہو جاتا ہے اور گناہ بھی ثواب بن جاتا ہے، یہ بات تو قطعی غلط ہے، گناہ ہر حالت میں گناہ ہے، کتنی ہی اچھی نیت سے کیا جائے وہ جائز نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی کے گھر اس نیت سے چوری کرے کہ جو مال حاصل ہوگا وہ صدقہ کروں گا تو اس نیت کی وجہ سے چوری کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ:-

۱: کسی بھی نیک کام پر اس وقت تک ثواب نہیں ملتا جب تک وہ صحیح نیت کے ساتھ نہ کیا جائے، مثلاً نماز کا ثواب اسی وقت ملے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے پڑھی جائے، اگر دِکھاوے کے لئے پڑھی تو ثواب غارت ہو جائے گا، اُلٹا گناہ ہوگا۔

۲ اور دُوسرا مطلب یہ ہے اور وہی اس وقت بیان کرنا مقصود ہے کہ جتنے کام مباح یا جائز ہیں، ان کا اصل حکم تو یہ ہے کہ ان پر نہ ثواب ہوتا ہے نہ

عذاب، لیکن اگر وہ جائز کام کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ عبادت بن جاتے ہیں اوران پرثواب ملتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا مباحات میں سے ہے، لیکن اگرکوئی کھانا اس نیت سے کھائے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کوقوت حاصل ہوگی تو اس قوت کواللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صَرف کروں گا، تو یہ کھانا کھانا بھی باعثِ اجروثواب ہوگا۔ یا اس نیت سے کھانا کھائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا بھی مجھ پرحق رکھا ہے، اس کی ادائیگی کے لئے کھانا کھاتا ہوں۔ یا اس نیت سے کھائے کہ اس سے لذّت وراحت حاصل ہوگی تو دِل سے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کروں گا تو ان نیتوں کے ساتھ کھانا کھانے میں بھی ثواب ہوگا۔

غرض زندگی کا کوئی مباح کام ایسا نہیں ہے جس کواچھی نیت کرکے عبادت اورموجبِ ثواب نہ بنایا جاسکتا ہو، مثلاً اچھی نیت کی چند مثالیں جن سے ہم اپنے روزمرّہ کے کاموں کوثواب بنا سکتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

○ روزی کمانا، خواہ تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت کی شکل میں، یا زراعت وصناعت کی شکل میں، اس میں اگر اِنسان یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے جو میرے نفس اورمیرے گھر والوں کے حقوق عائد کئے ہیں، یہ کمائی اس لئے کررہا ہوں کہ وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرسکوں، تو حلال روزی کمانے کی یہ ساری کارروائی عبادت اورثواب بن جائے گی۔

پھراس میں اگر یہ نیت بھی کرلے کہ اپنی آمدنی کو اپنی اورگھر والوں کی ضروریات پرخرچ کرنے کے بعد جوکچھ بچے گا اس میں سے غریبوں کی اِمداد اور دُوسرے نیک کاموں پرخرچ کروں گا تو اس نیت سے مزید ثواب ملے گا۔

○ اگر ایک شخص ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور وہ نیت یہ کر لے کہ میں اس علم کے ذریعے خدمتِ خلق کروں گا، مثلاً کوئی علمِ دِین حاصل کر رہا ہے تو مخلوق کو دِین پہنچانے کی نیت کر لے، میڈیکل سائنس کا طالبِ علم ہے تو یہ نیت کرے کہ ڈاکٹری کے ذریعے میں مریضوں کی خدمت کروں گا، انجینئرنگ کا طالبِ علم ہے تو یہ نیت کرے کہ میں اس فن سے ملک وقوم کی خدمت کروں گا، کوئی اور ہنر سیکھ رہا ہے تو اس غرض سے سیکھے کہ جو لوگ اس ہنر کے ضرورت مند ہوں گے ان کی حاجت پوری کروں گا تو اِن شاء اللہ جتنا وقت وہ تعلیم حاصل کرنے میں گزارے گا، اس کو اس نیت کا ثواب ملتا رہے گا۔

○ پھر اِنسان جو بھی پیشہ اختیار کرے اس میں یہ سوچے کہ رِزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے، کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملے گا اور اس کو حاصل کرنے کے بہت سے راستے ہیں، لیکن میں فلاں راستہ اس لئے اختیار کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے مخلوقِ خدا کی خدمت کروں تو یہ پیشہ بھی باعثِ اجر ہو جائے گا۔

مثلاً کوئی شخص ڈاکٹر بنتا ہے تو یہ نیت کرلے کہ رزق کے بہت سے راستوں میں سے یہ راستہ میں نے اس لئے منتخب کیا ہے کہ اس کے ذریعے تکلیف میں مبتلا لوگوں کی مدد ہوگی، تو خواہ وہ مریضوں سے جائز اور مناسب اُجرت وصول کرے تب بھی اِن شاء اللہ اس نیت کا ثواب ملے گا، اور جب واقعۃً یہ نیت ہوگی تو ظاہر ہے کہ ایسے مواقع بھی آئیں گے جب وہ کسی شخص کو غریب دیکھے تو اس کا علاج بلا معاوضہ یا بہت رعایتی معاوضے پر کرے۔

کوئی شخص مثلاً کپڑے کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ نیت کرلے کہ ہر انسان کے ذمے شرعاً لباس پہننا واجب ہے، میں بہت سے پیشوں میں سے اس پیشے کا انتخاب اس لئے کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے مخلوق کو اس واجب کی ادائیگی میں مدد دوں گا، تو اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ یہ پیشہ بھی باعثِ اجر ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص سرکاری ملازم ہے تو وہ اپنی ملازمت میں یہ نیت کرے کہ اس کے ذریعے مخلوق کی ضروریات پوری کرنے کا موقع ملے گا تو خواہ وہ یہ کام تنخواہ لے کر کر رہا ہو، اِن شاء اللہ اس نیت کا ثواب ملے گا، غرض کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی اچھی نیت نہ کی جاسکتی ہو۔

○ اسی طرح اچھا لباس اس لئے پہنا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کا اثر نظر آئے اور دیکھنے والوں کو فرحت ہو (نہ یہ کہ وہ مجھے بڑا، یا دولت مند سمجھیں)۔

○ اپنے بچوں سے اس نیت سے پیار کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ بچوں سے محبت فرماتے تھے۔

○ گھر کا کام اس نیت سے کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو گھر کے کاموں میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

○ بیوی بچوں سے خوش طبعی کی باتیں اس نیت سے کی جائیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور آپ نے ان سے حسنِ سلوک کا حکم

دیا ہے۔

○ مہمانوں کی خاطر مدارات اس غرض سے کی جائے کہ مہمان کا اکرام سنت ہے اور مؤمن کے حقوق میں سے ہے۔

○ گھر میں کوئی پودا یا درخت لگانا ہو تو اس نیت سے لگایا جائے کہ اس سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ پہنچے گا اور دیکھنے والوں کو اس کا منظر اچھا معلوم ہوگا تو ان کو اس سے خوشی ہوگی۔

○ اپنی تحریر کو اس نیت سے صاف اور خوبصورت بنانے کی کوشش کی جائے کہ پڑھنے والوں کو سہولت ہوگی۔

○ عورت جائز زیب و زینت اس لئے کرے کہ شوہر کو خوشی حاصل ہوگی، اور مرد اس نیت سے صاف ستھرا رہے کہ بیوی کو مسرّت اور راحت ملے گی۔

○ جائز تفریحات بقدرِ ضرورت اس غرض سے کی جائیں کہ ان سے فرائض کی ادائیگی میں چستی اور نشاط پیدا ہوگا۔

○ گھڑی اس نیت سے رکھی جائے کہ اس کے ذریعے نماز کے اوقات کا علم ہوگا اور وقت کی قدر و قیمت پہچان کر اسے اچھے کاموں میں صَرف کروں گا۔

غرض یہ تو چند متفرق اور سرسری مثالیں ہیں، ورنہ جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے "احیاء العلوم" میں بجا طور پر فرمایا ہے، انسان کی زندگی کا کوئی جائز کام ایسا نہیں ہے جسے کوئی نہ کوئی اچھی نیت کر کے ثواب کا کام نہ بنایا جا سکے، یہاں تک کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے سے اگر اس نیت سے لذّت

حاصل کریں کہ ایک دُوسرے کا حق ادا کر رہے ہیں اور اس سے دونوں کو عفت اور پاک دامنی حاصل ہوگی تو اس عمل پر بھی ثواب لکھا جاتا ہے۔

۲ دُعا

اللہ تعالیٰ کو بندوں کا دُعا کرنا بہت پسند ہے، دُنیا میں کسی شخص سے بار بار کچھ نہ کچھ مانگا جاتا رہے تو وہ کتنا بڑا سخی ہو، بالآخر اُکتا کر ناراض ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے بندہ جتنا زیادہ مانگے گا، اللہ تعالیٰ اس سے اتنے ہی زیادہ خوش ہوں گے، بلکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانگتا نہیں اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ دُعا اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے، بلکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے، یعنی دُعا خواہ اپنے ذاتی اور دُنیوی مقصد کے لئے مانگی جائے وہ بھی عبادت شمار ہوتی ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے، اور جتنی زیادہ دُعا مانگی جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف تنگی اور مشکلات کے وقت ہی دُعا مانگی جائے بلکہ خوشحالی اور مسرتوں کے وقت بھی دُعائیں مانگتے رہنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ مصائب اور تنگیوں کے وقت اس کی دُعائیں قبول ہوں تو اسے چاہئے کہ خوش حالی کے وقت دُعا کی کثرت کرے۔ (جامع الاُصول بحوالہ ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ: ''مجھ سے دُعا کرو میں قبول کروں گا'' اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ غلط نہیں ہو سکتا، اس لئے اس یقین کے

ساتھ دُعا مانگنی چاہئے کہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ البتہ قبولیت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں بعض اوقات وہی چیز مل جاتی ہے جو مانگی گئی تھی اور بعض اوقات وہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں بندے کے لئے مناسب یا فائدہ مند نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید چیز دُنیا یا آخرت میں عطا فرما دیتے ہیں، اس طرح ہر دُعا کے تین فائدے ہیں:-

۱- دُعا کی قبولیت سے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

۲- ہر دُعا پر ثواب ملتا ہے۔

۳- دُعا کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔

پھر اگرچہ دُعا مانگنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ قبلہ رُو ہاتھ اُٹھا کر زبان سے دُعا مانگی جائے اور پہلے حمد و ثنا اور دُرود شریف پڑھا جائے، لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو تو اس کے بغیر بھی دُعا کرنا جائز ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے دُعا کو اتنا آسان فرما دیا ہے کہ وہ تقریباً ہر وقت اور ہر جگہ مانگی جا سکتی ہے، چلتے پھرتے بھی، کام کرتے ہوئے بھی، اور اگر زبان سے مانگنے کا موقع نہ (مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں) تو دِل ہی دِل میں بھی مانگی جا سکتی ہے۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دُعا میں بڑی بڑی چیزیں مانگی جائیں، بلکہ اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے، یہاں تک کہ حدیث میں ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ (ترمذی)

لہٰذا اس بات کی عادت ڈال لینی چاہئے کہ جب کوئی چھوٹی سے چھوٹی حاجت بھی پیش آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے، کوئی معمولی سے

معمولی تکلیف ہوتو اس کا ازالہ بھی اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جائے، جس طرح بچے کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے یا کوئی ادنیٰ تکلیف پہنچتی ہے وہ اپنی ماں کو پکارتا ہے اسی طرح بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے اور پکارتا رہے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، کام کرتے ہر وقت کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے، عادت ڈال کر دیکھیں، اِن شاء اللہ اس سے بہت جلد ترقی ہوگی۔

(۳) مسنون دُعائیں

یوں تو ہر حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے، لیکن سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن رات کے مختلف اوقات میں، مختلف مواقع پر کچھ خاص خاص دُعائیں سکھائی ہیں، مثلاً نیند سے بیدار ہوکر کیا دُعا کریں؟ بیت الخلا میں جانے سے پہلے کیا کہیں؟ وہاں سے باہر نکل کر کیا پڑھیں؟ وضو کرتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت، کھانا کھانے سے پہلے، کھانے کے بعد، اَذان سننے کے بعد، کپڑے پہنتے وقت، آئینہ دیکھتے وقت، بستر پر پہنچ کر سونے سے پہلے غرض مختلف مواقع پر مختلف دُعائیں سکھائی ہیں جو ہمارے دِین و دُنیا کی تمام ضرورتوں کے لئے انتہائی جامع اور مفید دُعائیں ہیں۔ اگر ہم ساری عمر سوچتے رہیں گے تب بھی ایسی دُعائیں خود سے نہ مانگ سکیں جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھادی ہیں۔

ان دُعاؤں کے پڑھنے میں نہ کوئی وقت صَرف ہوتا ہے، نہ محنت لگتی ہے، نہ ان کے لئے وضو شرط ہے، نہ ہاتھ اُٹھانے چاہئیں، بس اگر ان دُعاؤں کو

یاد کرلیا جائے تو ذرا سے دھیان کی بات ہے، اور اس معمولی سی توجہ کے نتیجے میں دُنیا و آخرت کے عظیم مقاصد اور فوائد حاصل ہو جاتے ہیں، اور بغیر کسی خاص محنت کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے ذخیرے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ یہ دُعائیں ضرور یاد کرلے، بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن میں یہ دُعائیں لکھی ہوئی ہیں۔ حکیم الاُمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب ''مناجاتِ مقبول'' میں بھی ایسی بیشتر دُعائیں جمع کردی گئی ہیں، اس میں دیکھ کر یہ دُعائیں یاد کی جاسکتی ہیں، خود بھی یاد کریں اور بچوں کو بھی یاد کرا کر بچپن ہی سے ان کا عادی بنائیں تو اِن شاء اللہ ان کی دُعاؤں کا ثواب بھی ملے گا۔

دُوسروں کے لئے دُعا

جس طرح اپنی ذاتی حاجتوں کے لئے دُعا مانگنی چاہئے، اسی طرح اپنے دُوسرے اعزّہ و اقربا، دوست احباب اور عام مسلمانوں کے لئے دُعا مانگنا بھی بہت فضیلت کی چیز ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ''جو مسلمان بندہ اپنے کسی بھائی کے لئے اس کی غیر موجودگی میں دُعا کرتا ہے تو فرشتے اس کے حق میں یہ دُعا کرتے ہیں کہ تم کو بھی ویسی ہی بھلائی ملے۔'' (صحیح مسلم)

لہٰذا جس کسی مسلمان کے بارے میں علم ہو کہ وہ کسی مشکل میں ہے، یا اس کو پریشانی لاحق ہے، یا کوئی ضرورت پیش آگئی ہے، اس کے حق میں دُعا کرنی چاہئے، بلکہ کافروں کے حق میں بھی دُعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اِسلام کی

ہدایت عطا فرمائیں، اس سے دُعا کا ثواب بھی ملتا ہے اور دُوسروں کی خیر خواہی کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے۔

(۴) اِستغفار

اللہ تعالیٰ نے اِستغفار کو گناہوں کے زہر کا تریاق بنایا ہے، اِستغفار کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا، ہر بد سے بدتر گناہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہو، توبہ اور اِستغفار سے معاف ہو جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سرزد ہو، فوراً توبہ اور اِستغفار سے اس کی تلافی کرنی چاہئے، بلکہ خلافِ اَولیٰ اُمور پر بھی اِستغفار کرنا چاہئے۔ اور بظاہر کوئی گناہ سرزد نہ ہوا تب بھی اِستغفار کثرت سے کرتے رہنا چاہئے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک تھے، اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ: ''میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ ستر سے زائد مرتبہ توبہ و اِستغفار کرتا ہوں۔'' (بخاری)

ایک حدیث میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: ''جو شخص اِستغفار کی پابندی کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی میں آسانی کی راہ نکال دیتے ہیں اور ہر غم کو دُور فرماتے ہیں، اور اس کو ایسی جگہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔''

(ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الاستغفار)

لہٰذا چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے بھی اِستغفار کرنے کی عادت ڈالنی

چاہئے اور دن میں کم از کم ایک مرتبہ اِستغفار کی ایک تسبیح پڑھ لی جائے تو بہت اچھا ہے۔

سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَار

اِستغفار ہر زبان میں ہو سکتا ہے، اس کا مختصر عربی جملہ یہ ہے:

اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ترجمہ:- میں اللہ تعالیٰ اپنے پروردگار سے ہر گناہ کی مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

لیکن حدیث میں اِستغفار کی ایک مخصوص دُعا کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں اور اسے "سیّد الاستغفار" (اِستغفار کا سردار) قرار دیا گیا ہے، وہ اِستغفار یہ ہے:-

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

ترجمہ:- یا اللہ! آپ میرے پروردگار ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ نے مجھے پیدا کیا، میں آپ کا بندہ ہوں اور میں حتی الوسع آپ سے کئے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے

آپ کی پناہ مانگتا ہوں، آپ نے جو نعمتیں مجھ کو عطا
فرمائیں، میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا
اعتراف کرتا ہوں، لہٰذا میرے گناہ معاف فرما دیجئے
کیونکہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ کلمات پورے یقین کے ساتھ صبح کے وقت کہے اور شام سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو وہ جنتیوں میں شمار ہوگا، اور جو شخص یہ کلمات رات کے وقت پورے یقین کے ساتھ کہے اور صبح سے پہلے مرجائے تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔ (صحیح بخاری، باب افضل الاستغفار)

خاص طور سے رات کو سونے سے پہلے چند بار حضورِ قلب کے ساتھ اپنے دن بھر کے اعمال کی کوتاہیوں کا اجمالی تصوّر کر کے ان سب سے اِستغفار کر لینا چاہئے۔

⑤ ذکر اللہ

اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ایسی لذیذ اور آسان عبادت ہے کہ اسے انسان معمولی سی توجہ سے ہر وقت انجام دے سکتا ہے، اور اس کے فضائل اور فوائد بے شمار ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جا بجا اپنا ذکر کرنے کی تاکید فرمائی ہے، مثلاً ارشاد ہے:-

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ (الاحزاب)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔

ظاہر ہے کہ ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، وہ بندوں کے ذکر سے بے نیاز ہے، لیکن اس میں بندوں کا فائدہ ہے کہ ذکر کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اِنسان کی رُوح کو غذا ملتی ہے، جس سے اس میں بالیدگی اور قوت پیدا ہوتی ہے، اس رُوحانی قوت کے نتیجے میں انسان کے لئے نفس اور شیطان کا مقابلہ آسان ہو جاتا ہے اور گناہوں سے بچنے میں بھی سہولت ہوتی ہے اور ہر ذکر کے ساتھ نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک صاحب نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور قیامت کے دن سب سے بلند رُتبہ عبادت کون سی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کا ذکر۔''

(جامع الأصول ج:۴ ص:۴۷۵)

ایک صحابی نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ! نیکیوں کی قسمیں تو بہت ہیں اور میں ان سب کو اَنجام دینے کی اِستطاعت نہیں رکھتا، لہٰذا مجھے ایسی چیز بتا دیجئے جسے میں گرہ سے باندھ لوں اور زیادہ باتیں نہ بتایئے گا کیونکہ میں بھول جاؤں گا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:-

تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہا کرے۔

(جامع ترمذی، دعوات، باب فضل الذکر)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے (یعنی ذکر والا گھر زندہ ہے اور بغیر ذکر کا گھر مُردہ)۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''جو لوگ کسی مجلس سے اس حالت میں اُٹھ جائیں کہ اس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہو تو وہ مُردار گدھے پر سے اُٹھے، اور یہ مجلس ان کے لئے (قیامت کے دن) حسرت کا باعث بنے گی (یعنی یہ حسرت ہوگی کہ اتنا وقت ہم نے بے کار ضائع کر دیا)۔ (ابوداؤد)

اسی لئے حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مجلس کے آخر میں یہ کلمات پڑھ لینے چاہئیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

اس سے مجلس کی کوتاہیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (نسائی)

ذکر اللہ کی ان عظیم فضیلتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ اس کے لئے کوئی شرط عائد نہیں فرمائی، اگر وضو کے ساتھ قبلہ رُخ ہو کر یکسوئی سے ذکر کر سکے تو بہت اچھا ہے، لیکن اس کا موقع نہ ملے تو چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، کام میں لگے ہوئے ہر حال میں یہ عبادت انجام دی جا سکتی ہے، اس کے لئے وضو بھی شرط نہیں ہے، بلکہ حالتِ جنابت اور حالتِ حیض میں

بھی ذکر جائز ہے۔ صرف برہنگی کی حالت میں یا نجاست کے مقامات پر مثلاً بیت الخلا میں زبان سے ذکر نہیں کرنا چاہئے، اس وقت بھی دِل دِل میں ذکر کرنا جائز ہے، لہٰذا اس عظیم عبادت کا ثواب انسان ہر وقت بغیر کسی خاص محنت و مشقت کے حاصل کر سکتا ہے۔ اور مناسب یہ ہے کہ دن رات میں کچھ وقت تو ایسا مقرر کر لیا جائے جس میں باقاعدہ، باوضو اور قبلہ رُخ ہو کر یکسوئی سے ذکر کیا جائے، اور باقی اوقات میں چلتے پھرتے، کاموں کے درمیان، لیٹے بیٹھے جتنے ذکر کی توفیق ہو جائے نعمت ہی نعمت ہے۔

خاص خاص اَذکار کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے:-

۱ فضائلِ ذکر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ۔

۲ ذکر اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ۔

۳ معمولاتِ یومیہ، سیّدی وسندی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ۔

چند مختصر اَذکار مندرجہ ذیل ہیں، چلتے پھرتے ان کو وِردِ زبان رکھنے کی عادت ڈال لی جائے۔

۱- حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چار کلمے ہیں:-

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ۔

(صحیح مسلم)

۲- حدیث میں ہے کہ دو کلمے رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، وہ زبان پر

ہلکے ہیں، مگر میزانِ عمل میں بہت وزنی ہیں:-

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔

(بخاری ومسلم)

۳- حدیث میں ہے کہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" کثرت سے پڑھا کرو، کیونکہ یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

۴- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے تو اس کو اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے دس غلاموں کو آزاد کرانے کا ثواب ملتا ہے، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہو جاتے ہیں اور شام تک وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے، اور یہی کلمات شام کو کہے تو صبح تک یہی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد)

حَسْبِيَ اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

(۲) دُرود شریف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیجنے کے اتنے فضائل احادیث میں آئے ہیں کہ ان سے ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے، اور بہت سے علماء نے اس پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "میرے پاس میرے پروردگار

کی طرف سے ایک آنے والا آیا، اور اس نے کہا کہ: آپ کی اُمت کا جو شخص آپ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھتے ہیں، اس کے دس گناہ (صغیرہ) معاف فرماتے ہیں اور اس کے دس درجات بلند فرماتے ہیں۔"
(سننِ نسائی و مسندِ احمد، الترغیب للمنذری ج:۳ ص:۱۵۷)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

جس شخص کے سامنے میرا ذِکر ہو، اسے چاہئے کہ مجھ پر دُرود بھیجے، اور جو مجھ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ (ایضاً)

دُرود شریف میں سب سے افضل دُرودِ ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، اور سب سے مختصر "صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ہے، اس سے بھی دُرود شریف کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لکھا جائے تو پورا جملہ "صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لکھنا چاہئے، صرف "صلعم" یا "ص" لکھنا کافی نہیں ہے۔

⑦ شکر

اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتیں ہر آن انسان پر مبذول رہتی ہیں، یہ نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ (ابراہیم:۳۴)

ترجمہ:- اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو ٹھیک ٹھیک شمار نہ کر سکو گے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اگر دُوسری نعمتوں کو چھوڑ دیا جائے تو صرف زندگی کی نعمت اتنی بے حساب ہے کہ ہر سانس میں دو نعمتیں پنہاں ہیں، سانس کا اندر جانا ایک نعمت اور باہر آنا دُوسری نعمت ہے، کیونکہ اگر سانس اندر جائے اور باہر نہ آئے تو مصیبت ہے، اور باہر آئے اندر نہ جائے تو دُوسری مصیبت ہے، لہٰذا ہر سانس پر اِنسان کو دو نعمتیں ملتی ہیں، اور ہر نعمت شکر کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا اگر ہر سانس پر آدمی ایک بار شکر ادا کرے تب بھی صرف سانس کی نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا، دُوسری بے شمار نعمتوں کا تو کیسے شکر ادا ہو سکتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ٹھیک ٹھیک شکر ادا کرنا تو اِنسان کے بس سے باہر ہے، لیکن کثرت سے شکر اَدا کرتے رہنا ایک انتہائی محبوب عمل ہے، جس پر ثواب بھی بے حساب ملتا ہے، نعمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں بھی ترقی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾ (البقرۃ)

ترجمہ:- پس تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا، اور تم میرا شکر اَدا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

دُوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾ (آل عمران)

ترجمہ:- اور ہم شکر کرنے والوں کو اچھا صلہ دیں گے۔

نیز ارشاد ہے:-

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ (ابراہیم)

ترجمہ:- اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دُوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھیں میرا عذاب سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ کو شکر گزار بندہ بہت محبوب ہے اور ناشکرا شخص نہایت ناپسند ہے، کیونکہ ناشکری انتہائی تنگ نظری کی علامت ہے، ناشکرے شخص کو اگر کوئی ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اسی کو لے بیٹھتا ہے، اسے وہ بے شمار نعمتیں نظر نہیں آتیں جو عین اس تکلیف کے عالم میں بھی اس پر برس رہی ہوتی ہیں، اور وہ ذرا سی تکلیف کو پہاڑ بنا کر اسی کا رونا روتا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف شکر گزار بندے کا حال یہ ہے کہ تکلیف کے عالم میں بھی اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر رہتی ہے، وہ ان نعمتوں پر شکر بھی ادا کرتا ہے اور ساتھ ساتھ تکلیف کے دُور ہونے کی دُعا بھی کرتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی شخص کو کوئی بیماری لاحق ہوگئی، اگر وہ ناشکرا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کو بھلا کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ ستم رسیدہ اور مظلوم سمجھے گا اور ناشکری کے کلمات زبان سے نکال گا۔ لیکن اگر وہ شکر گزار بندہ ہے تو بیماری سے مغموم اور پریشان ہونے کے باوجود وہ یہ سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے بیشتر اوقات میں جو صحت عطا فرمائی، وہ کتنی بڑی نعمت تھی، اور اس

بیماری میں بھی تیمار داروں، معالجوں اور دواؤں کی صورت میں تسلی کے جو اَسباب میسر ہیں وہ کتنی بڑی نعمت ہیں، جو لوگ اس سے زیادہ بیمار ہیں، ان کا تصور کر کے شکر اَدا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماری سے محفوظ رکھا۔ وہ بیماری دُور ہونے کی دُعا ضرور کرے گا، لیکن شکوے کے لہجے میں نہیں بلکہ اپنی کمزوری اور عاجزی کے لہجے میں، وہ تکلیف سے پریشان بھی ہوگا تو اس پریشانی میں ناشکری اور گلے شکوے کا شائبہ نہیں ہوگا۔

انسان پر شیطان کا سب سے پہلا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے ناشکری میں مبتلا کر دیتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے کہ جب شیطان کو قیامت تک جینے کی مہلت مل گئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ میں آپ کے بندوں کو بہکاؤں گا، اور ہر سمت سے ان پر حملہ آور ہوں گا، پھر اپنے ان حملوں کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ:-

وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ (الاعراف)

ترجمہ:- اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو شکر کی عبادت سے محروم کر کے انہیں ناشکرا بنادے، اس کے برخلاف جو بندہ شکر گزار بننے کا تہیہ کر لے، اس پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

غرض اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا بڑی عظیم عبادت ہے اور یہ عظیم عبادت

چند لمحوں میں ادا ہو جاتی ہے، حدیث میں ہے کہ:-

اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔

ترجمہ:- جو شخص کھانا کھا کر شکر اَدا کرے وہ ثواب میں اس روزہ دار کے برابر ہے جس نے کھانے سے صبر کیا ہو۔ (بخاری وترمذی)

لہٰذا شب و روز کی زندگی میں جو کوئی چھوٹی بڑی نعمت یا راحت میسر آئے اس پر شکر اَدا کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو عافیت سے دیکھا تو شکر اَدا کرے، اچھا کھانا سامنے آیا تو شکر اَدا کرے، ہوا کا جھونکا اچھا معلوم ہو تو شکر اَدا کرے، بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا تو شکر اَدا کرے، غرض ہر وہ بات جس سے خوشی یا آرام حاصل ہو اس پر شکر اَدا کرنے اور کرتے رہنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اگر زبان سے نہیں تو دِل ہی دِل میں شکر اَدا کر لینا چاہئے۔

نیز بزرگوں نے یہ بھی تلقین فرمائی ہے کہ رات کو بستر پر پہنچ کر سونے سے پہلے کچھ دیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تصوّر کیا کرے، اور ایک ایک نعمت کا تصوّر کرکے اس پر شکر اَدا کرے، مثلاً تصور کرے کہ الحمدللہ میری اور اہل وعیال کی صحت ٹھیک ہے، الحمدللہ سر چھپانے کو گھر میسر ہے، الحمدللہ بستر آرام دہ ہے، الحمدللہ جان ومال محفوظ ہیں۔ غرض جتنی راحتیں میسر ہیں ان سب کا ایک ایک کرکے تصوّر کرے اور اس پر شکر اَدا کرکے سوئے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقیقی شکر یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بنائے، لیکن اگر زبان اور دِل سے

کثرت کے ساتھ شکر اَدا کرنے کی عادت ڈال لے تو یہ بھی ایک عظیم عبادت ہے، اور اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ اس کی برکت سے دُوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہوگی۔

یوں تو شکر اَدا کرنے کے لئے کوئی لفظ متعین نہیں ہے، ہر انسان اپنی زبان میں بھی شکر اَدا کرسکتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَدائے شکر کے لئے ایسے جامع الفاظ بھی تلقین فرمائے ہیں جن سے ایک مرتبہ ہی میں ہزاروں مرتبہ شکر اَدا کرنے کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:-

۱ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَآئِمًا مَّعَ دَوَامِکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِدًا مَّعَ خُلُوْدِکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَّا مُنْتَھٰی لَہٗ دُوْنَ مَشِیْئَتِکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَّا یُرِیْدُ قَآئِلُہٗ اِلَّا رِضَاکَ وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ طَرْفَۃِ کُلِّ عَیْنٍ وَّتَنَفُّسِ کُلِّ نَفْسٍ۔

ترجمہ:- یا اللہ! آپ کا شکر ہے، ایسا شکر جو آپ کے دائمی وجود کے ساتھ دائمی ہو، آپ کا شکر ہے، ایسا شکر جو آپ کے ہمیشہ رہنے کے ساتھ ہمیشہ رہے، اور آپ کا شکر ہے، ایسا شکر جس کی آپ کی مشیت کے سوا کوئی انتہا نہیں، اور آپ کا شکر ہے، ایسا شکر جس کا کہنے والا آپ کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں چاہتا، اور آپ کا شکر ہے آنکھ کی ہر جھپک پر اور سینے کے ہر تنفس پر۔

۲ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَدَدَ خَلْقِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَرِضَا نَفْسِكَ۔

ترجمہ:- اے اللہ! آپ کی حمد کرتا ہوں آپ کی مخلوقات کی گنتی کے برابر، اور آپ کے کلمات کی سیاہی کے برابر، اور آپ کے عرش کے وزن کے برابر، اور آپ کی خوشنودی کے مطابق۔

حضرت عبداللہ بن غنام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کے یہ کلمات تلقین فرمائے:-

۳ اَللّٰهُمَّ مَآ اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ۔

ترجمہ:- اے اللہ! مجھے یا آپ کی مخلوق کے کسی اور فرد کو جو بھی نعمت ملے، وہ تنہا آپ کی طرف سے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس تعریف آپ ہی کی ہے، اور شکر آپ ہی کا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

جو شخص یہ کلمات صبح کے وقت کہے، اس نے اپنے اُس دن کا شکر اَدا کیا، اور جو شخص یہ کلمات شام کے وقت کہے، اس نے اپنی اُس رات کا شکر اَدا کر دیا۔ (نسائی وابوداؤد)

(۸) صبر

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین قسم کے عالم پیدا کئے ہیں، ایک وہ عالَم جس میں خوشی ہی خوشی اور آرام ہی آرام ہے، غم اور تکلیف کا کوئی شائبہ نہیں، یہ جنت کا عالَم ہے۔ دُوسرا وہ جس میں تکلیف ہی تکلیف اور غم ہی غم ہے، اس میں خوشی اور آرام کا کوئی شائبہ نہیں، یہ دوزخ کا عالَم ہے۔ اور ایک عالَم وہ ہے جس میں خوشی بھی ہے اور غم بھی، راحت بھی ہے اور تکلیف بھی، اور یہ عالَم دُنیا ہے، لہٰذا اس دُنیا میں آج تک نہ کوئی ایسا انسان ہوا ہے، نہ ہوسکتا ہے، جسے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو، انسان خواہ کتنا ہی دولت مند ہو، کتنا ہی بااِختیار ہو، کتنا ہی نیک اور متقی ہو، اسے اس دُنیا میں خوشی کے ساتھ غم سے، اور آرام کے ساتھ تکلیف سے ضرور سابقہ پیش آئے گا، بڑے بڑے پیغمبر بھی تکلیفوں اور پریشانیوں سے گزرے ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھے اپنی زندگی میں کبھی کوئی تکلیف یا صدمہ نہ پہنچے تو وہ اس دُنیا کی حقیقت ہی سے جاہل ہے، اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکتی، کم اور زیادہ کا فرق ضرور ہوسکتا ہے، لیکن تکلیف اور صدموں سے بالکلیہ نجات اس دُنیا میں ممکن نہیں۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

لہٰذا اس دُنیوی زندگی میں ہر شخص کو کسی نہ کسی شکل میں تکلیفوں اور غموں سے سابقہ ضرور پیش آنا ہے، اگر وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے، ہر وقت

چاہے جا اپنے غموں کا دُکھڑا روتا رہے، اور اپنی تقدیر کا گلہ شکوہ کرے، تب بھی اسے غموں سے بالکلیہ نجات نہیں مل سکتی، لیکن اس صورت میں ایک تو وہ ہمیشہ ہمیشہ تکلیف کی گھٹن کا شکار رہے گا، دُوسرے اس بے صبری کا بہت بڑا نقصان یہ ہوگا کہ یہ تکلیفیں جو اس کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ بن سکتی تھیں، ان کا کوئی اجر بھی نہیں ملے گا۔

اس کے برعکس ایک انسان وہ ہے جو تکلیف اور صدمے کے موقع پر یہ سوچتا ہے کہ یہ چند روزہ دُنیا کی تکلیف ہے، اور دُنیا کی تکلیفوں سے کسی کو بھی مکمل چھٹکارا نہیں مل سکتا، اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا، خواہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لہٰذا مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا شکوہ کرنے کے بجائے اس کی حقانیت پر ایمان رکھنا چاہئے، اگرچہ اس تکلیف دہ واقعے سے مجھے صدمہ پہنچا ہے، اس صدمے کی وجہ سے میرا دِل بھی اُمڈ رہا ہے، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے کوئی شکایت نہیں، کیونکہ وہی جانتے ہیں کہ میری بہتری کس چیز میں ہے؟ میں ان ہی کی طرف رُجوع کرتا ہوں کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے، اسے میرے حق میں بہتر بنادیں، میرے دِل کو سکون اور تسلی عطا فرمادیں اور آئندہ مجھے ایسی تکلیفوں سے محفوظ رکھیں جو مجھے بے تاب کرنے والی ہوں۔

اس شخص کی اسی سوچ کا نام ''صبر'' ہے، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کو تسلی ہوتی ہے، بے چینی میں کمی آتی ہے، دِل کو قرار نصیب ہوتا ہے، اور دُوسری طرف جو تکلیف پہنچی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب

اَجر ملتا ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ (الزمر)

ترجمہ:- بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب بے حساب دیا جائے گا۔

یاد رکھئے! کسی تکلیف کے موقع پر دِل میں صدمہ پیدا ہونا کوئی گناہ نہیں، بلکہ تکلیف اور صدمے کے موقع پر بے اختیار جو رونا آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں، بے صبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اِعتراض اور شکوہ شکایت شروع کردے، اگر دِل میں صدمے کی آگ سلگ رہی ہے، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، طبیعت پریشان ہے، بار بار رونا آرہا ہے، لیکن انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر ایمان رکھتا ہے، تو اسی کا نام "صبر" ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب اَجر کا وعدہ ہے۔

اس "صبر" کی علامت یہ ہے کہ جب بھی دِل میں صدمہ پیدا ہو، انسان زبان سے کہے کہ:-

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

جو لوگ صدمے کے موقع پر یہ کلمہ زبان سے کہتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرۃ)

ترجمہ:- ایسے ہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف

سے رحمتیں ہی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور ایسے ہی لوگ

ہدایت پر ہیں۔

لہٰذا بزرگانِ دین نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "صبر" ہزار عبادتوں کی ایک عبادت ہے، جس سے انسان رُوحانی اعتبار سے ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

اور اس "صبر" کی عبادت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی بڑا صدمہ یا بڑی تکلیف پیش آئے، تبھی انسان صبر کرے اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کہے، بلکہ روز مرہ کی زندگی میں جو چھوٹی چھوٹی باتیں طبیعت کے خلاف پیش آتی رہتی ہیں ان پر بھی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

> اِذَا اَصَابَتْ اَحَدَکُمْ مُصِیْبَۃٌ فَلْیَقُلْ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ اَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ وَاٰجِرْنِیْ فِیْھَا وَاَبْدِلْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔ (ابوداؤد، باب الاسترجاع)
>
> یعنی جب تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ کہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، یا اللہ! میں اس تکلیف پر ثواب کا طلب گار ہوں، مجھے اس پر اَجر عطا فرمایئے اور اس کی جگہ مجھے کوئی اس سے بہتر چیز عطا فرمایئے۔

نیز حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چراغ گل ہوگیا تو آپ نے اس پر بھی "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر بھی اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنا چاہئے اور اس طرح روزمرہ پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے ناگوار واقعات پر ہر مرتبہ "صبر" کی عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے، چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا لگ گیا، دامن کسی چیز سے اُلجھ گیا، پاؤں پھسل گیا، گھر میں بجلی چلی گئی، کسی ناگوار واقعے کی خبر کان میں پڑ گئی، کوئی چیز گم ہوگئی، غرض اس جیسے ہر موقع پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے رہنا چاہئے، اور ایک مرتبہ دِل میں اس بات کا اعتقاد جمالینا چاہئے کہ ہر ناگوار واقعے کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہے، بس اسی کا نام "صبر" ہے اور اس پر مسلسل بے حساب اُجر ملتا رہتا ہے۔

ایک اور بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جس طرح کسی صدمے کے موقع پر بے اختیار رودینا "صبر" کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح کسی تکلیف کے موقع پر اس تکلیف کو دُور کرنے کی کوشش کرنا بھی "صبر" کے خلاف نہیں، مثلاً بیماری آئی تو اس کا علاج کرنا "صبر" کے خلاف نہیں، بے روزگاری ہوئی تو روزگار کی تلاش "صبر" کے منافی نہیں، بلکہ یہ تمام کوششیں بھی کرتے رہنا چاہئے اور تکلیف دُور ہونے کی دُعا بھی، بلکہ تکلیف کی شدّت میں کراہنا بھی "صبر" کے خلاف نہیں، کیونکہ صبر کی حقیقت صرف وہ ہے جو اُوپر بیان کی گئی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کوئی اعتراض اور شکوہ نہ ہو، اور وہ زبان سے "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتا رہے۔

کہنے کو یہ ایک مختصر عمل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر جو اجر و ثواب لکھا جاتا ہے اس کا تصور بھی اس وقت ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔

⑨ ''بسم اللہ'' سے ہر اہم کام شروع کرنا

ہر قابلِ ذکر کام کو ''بسم اللہ'' سے شروع کرنا ان اسلامی شعائر میں سے ہے جن سے مسلمان پہچانا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ۔

ترجمہ:- ہر وہ اہم کام جسے بسم اللہ سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ ناقص اور ادھورا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ ہر قابلِ ذکر کام سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھا کرتے تھے، ہر مسلمان کو اس سنت کی اِتباع کرتے ہوئے بسم اللہ سے کام شروع کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، گھر میں داخل ہوتے وقت، گھر سے نکلتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، سواری سے اُترتے وقت، بلکہ چلتے ہوئے سواری کو ٹھوکر لگ جائے یا خود اپنے آپ کو ٹھوکر لگ جائے تب، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، بلکہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے ذرا پہلے، اور وہاں سے نکلنے کے فوراً بعد، کھانا کھاتے وقت، پانی پیتے وقت، کپڑے پہنتے وقت، جوتے پہنتے وقت، کوئی کتاب پڑھتے وقت، کوئی خط یا تحریر لکھتے وقت، اپنے روزگار کا کام شروع کرنے سے پہلے، کسی سے کوئی نیا

معاملہ کرنے سے پہلے۔ غرض ہر تبدیل شدہ حالت پر بسم اللہ سے شروع کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اسی طرح خواتین جب کھانا پکانا شروع کریں تو اس وقت بسم اللہ پڑھیں، کھانے میں کوئی چیز ڈالیں تو بسم اللہ پڑھ کر ڈالیں، کھانا چننے کے لئے نکالیں تو بسم اللہ پڑھ کر نکالیں، کوئی کپڑا سینا یا بُننا شروع کریں تو بسم اللہ سے شروع کریں، بچے کو کپڑے پہنائیں تو بسم اللہ پڑھ کر پہنائیں، اور اس کو بھی بسم اللہ پڑھنا سکھائیں۔ غرض اس طرح اپنے روزمرہ کے کاموں کو بسم اللہ سے شروع کرنا اپنے معمولات میں شامل کرلیا جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں محنت اور دُشواری کچھ نہیں اور ذرا دھیان دینے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے، بلکہ اس عمل کی برکت سے یہ سارے کام جو بظاہری دُنیوی کام نظر آتے ہیں بذاتِ خود عبادت بن جاتے ہیں۔

ایک کافر بھی دُنیا کے کام انجام دیتا ہے، اور ایک مؤمن بھی، لیکن دونوں میں امتیاز بردست فرق ہے کہ کافر غفلت کی حالت میں یہ سب کام کرتا ہے اور مؤمن بسم اللہ سے ہر کام کا آغاز کر کے گویا اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی کام کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور اس اعتراف کے نتیجے میں اس کے دُنیا کے سارے کام بھی دِین کا ایک حصہ اور عبادت بن جاتے ہیں۔

بسم اللہ کے فضائل پر احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ''احکام وخواصِ بسم اللہ'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

⑩ پہلے سلام کرنا

مسلمانوں کو سلام کرنا بھی اُن اسلامی شعائر میں سے ہے جن سے ایک مسلمان کی شناخت ہوتی ہے اور اس کے بہت سے فضائل احادیث میں آئے ہیں، خاص طور سے کسی مسلمان کو سلام کی ابتدا کرنا بہت بڑی نیکی ہے، حدیث میں ہے کہ: ''لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر وہ شخص ہے جو لوگوں کو سلام کرنے کی ابتدا کرے۔'' (ابوداؤد)

یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ان ہی لوگوں کو سلام کیا جائے جو جان پہچان والے ہوں، بلکہ جن کو انسان پہچانتا نہ ہو لیکن ان کا مسلمان ہونا معلوم ہو، ان کو سلام کرنا بھی بہت ثواب ہے۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: مسلمان کے لئے کون سے اعمال بہتر ہیں؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اَعمال شمار کرائے ان میں یہ بھی تھا کہ: ''لوگوں کو سلام کرنا چاہے تم انہیں پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کبھی کبھی وہ گھر سے باہر صرف اس غرض سے نکلا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے گا اُسے سلام کریں گے اور اس طرح ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ (مؤطا امام مالک)

لیکن حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا جائے، ہر نظر آنے والے شخص کو سلام کرنا مقصود نہیں کیونکہ عملاً ایسا ممکن بھی نہیں

ہے، اور اس سے لوگوں کو تکلیف بھی پہنچ سکتی ہے۔

(الآداب الشرعیہ، لابن مفلح ج:۱ ص:۴۲۲)

یہ بھی سنت ہے کہ جب کوئی شخص باہر سے آئے تو گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو سلام کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:-

> بیٹے! جب اپنے گھر میں داخل ہو تو ان کو سلام کرو، یہ عمل تمہارے اور تمہارے گھر والوں دونوں کے لئے باعثِ برکت ہوگا۔ (ترمذی)

بلکہ اگر کسی خالی گھر میں داخل ہوں تو اس وقت بھی سلام کرنا چاہئے اور نیت یہ کی جائے کہ یہ سلام فرشتوں کو کیا جا رہا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے موقع پر "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" کہا کرتے تھے۔ (الآداب الشرعیہ، لابن مفلح ج:۱ ص:۴۲۴)

حدیث میں اس بات کی بھی ترغیب آئی ہے کہ سلام واضح لفظوں میں اس طرح کیا جائے کہ وہ سمجھ میں آئے، اور اگرچہ سلام کی سنت صرف "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہنے سے ادا ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ "وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" بھی بڑھایا جائے تو زیادہ ثواب ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہہ کر سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا

جواب دیا اور فرمایا: ''دس'' (یعنی سلام کرنے والے کو دس نیکیاں حاصل ہوئیں)۔ پھر ایک اور صاحب آئے، انہوں نے کہا کہ: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا: ''بیس'' (یعنی سلام کرنے والے کو بیس نیکیاں ملیں)۔ پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دے کر فرمایا: ''تیس'' (یعنی انہیں تیس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا)۔

(ابوداؤد و ترمذی، جامع الاصول ج:۶ ص:۶۰۲)

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سلام کرنا اس وقت سنت ہے جب کوئی شخص اپنے کسی کام میں مشغول نہ ہو، اور یہ اندازہ ہو کہ سلام کرنے سے اس کے کام میں کوئی خلل نہیں آئے گا، لیکن اگر اس کے کام میں خلل آنے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت سلام کرنا دُرست نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص تلاوت یا ذِکر کر رہا ہے، یا کسی مریض کی تیمارداری میں مشغول ہے، یا مطالعہ کر رہا ہے، یا کسی اور ایسے کام میں لگا ہوا ہے جس میں توجہ بٹنے سے کام کا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے، تو جب تک وہ فارغ نہ ہو جائے سلام کرنا دُرست نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مجمع سے خطاب کر رہا ہے، اور لوگ اس کی بات سن رہے ہیں تو ایسے میں بھی بولنے والے یا سننے والوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔

البتہ اگر لوگ خاموش بیٹھے ہوں، اور کوئی شخص ان کے پاس سے گزرے یا مجلس میں بیٹھنا چاہے تو بس ایک مرتبہ سلام کرلے، اور حاضرین میں

سے کوئی ایک بھی جواب دیدے تو سلام کی سنت اور سلام کے جواب کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

سلام کا آغاز کرنا سنت ہے، لیکن کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب ہے، اگر کوئی شخص سلام کا جواب نہ دے تو گنہگار ہوگا۔

نیز جب کسی کا خط آئے اور اس میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" لکھا ہوا ہو، تو پڑھتے وقت ہی سلام کا جواب دے دینا چاہئے۔ (شرح مسلم نوویؒ)

⑪ بیمار پُرسی

بیمار شخص کی عیادت (بیمار پُرسی) بھی بڑے اَجر و ثواب کا عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کے ذمے دُوسرے مسلمان کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں اُن میں بیمار پُرسی بھی داخل ہے، بعض فقہاء نے اسے واجب تک کہا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی بیمار پُرسی کرنے کا جاتا ہے تو وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔"

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ و ترمذی کتاب الجنائز)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:-

جو کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی دُوسرے مسلمان کی

عیادت کو جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے
لئے دُعائے خیر کرتے رہتے ہیں، اور اگر وہ شام کے
وقت کسی کی عیادت کو جاتا ہے تو اگلی صبح تک ستر ہزار
فرشتے اس کے حق میں دُعائے خیر کرتے رہتے ہیں، اور
اس کو جنت کا ایک باغ عطا کیا جاتا ہے۔

(ترمذی، کتاب الجنائز حدیث:۹۶۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول تھا کہ اپنے ملنے جلنے والوں میں سے کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو اس کی بیمار پُرسی کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کا حال پوچھا جائے، بشرطیکہ ہاتھ رکھنے یا حال پوچھنے سے اس کو تکلیف نہ ہو، اگر تکلیف کا اندیشہ ہو تو نہ ہاتھ رکھنا چاہئے، نہ حال پوچھنا چاہئے، ایسے میں تیمارداروں سے خیریت دریافت کرلینا کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دُعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے:-

اَسْاَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ۔

ترجمہ:- وہ اللہ جو خود عظیم ہے، اور عظیم عرش کا مالک ہے،
میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کی موت کا وقت

ہی نہ آچکا ہو، اس کو اس دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے ہیں۔

(ابوداؤد، کتاب الجنائز، وترمذی کتاب الطب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کے وقت بہ کثرت یہ دُعا بھی پڑھا کرتے تھے:-

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا۔

ترجمہ:- اے تمام لوگوں کے پروردگار! تکلیف کو دُور فرما دیجئے اور شفا عطا فرمائیے، آپ شفا دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفا نہیں دے سکتا، ایسی شفا دیجئے جو بیماری کا کوئی حصہ نہ چھوڑے۔

نیز بیمار کو دیکھ کر یہ بھی ارشاد فرماتے تھے:-

لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللهُ۔

ترجمہ:- تمہارا نقصان نہ ہو (یہ بیماری) اِن شاء اللہ تمہارے لئے پاکی کا موجب ہوگی۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام میں جتنی فضیلت بیمار پُرسی کی بیان کی گئی ہے، اُس سے زیادہ تاکید اس بات کی گئی ہے کہ اپنے کسی عمل سے مریض کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے، جس عیادت سے بیمار یا تیمارداروں کو زحمت اُٹھانی پڑے، اس سے ثواب کے بجائے گناہ کا شدید خطرہ ہے۔

چنانچہ اگر مریض کے لئے کسی شخص سے ملاقات مضر ہو، تو ایسے میں

ملاقات پر اِصرار کرنا بالکل ناجائز ہے، ایسے میں باہر ہی باہر سے حال معلوم کر کے آجانے اور دُعا کرنے سے عیادت کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، مریض کو جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اگر مریض کا دِل خوش کرنا مقصود ہو تو تیمار داروں سے کہہ دیا جائے کہ وہ کسی مناسب وقت پر مریض کو اِطلاع کر دیں کہ فلاں شخص آپ کی عیادت کے لئے آیا تھا، اور آپ کے لئے دُعا کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث میں اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، بلکہ مختصر عیادت کر کے چلا آئے، کیونکہ زیادہ دیر بیٹھنے سے اکثر مریض کو تکلیف ہوتی ہے، ہاں! جس بے تکلف شخص کو خود مریض اپنی تسلّی یا دِل بستگی کے لئے بٹھانا چاہے، اس کے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب بھی نہایت ضروری ہے، ایسے وقت میں عیادت کو جانا دُرست نہیں ہے جب مریض کے آرام یا دیگر معمولات میں خلل آئے، لہٰذا تیمارداروں سے پہلے پوچھ لینا چاہئے کہ عیادت کا مناسب وقت کیا ہوگا؟

(۱۲) نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت

کسی مسلمان کے مرنے پر اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور جنازے کے ساتھ قبرستان جا کر تدفین میں شرکت کرنے کی بھی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے، بلکہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کا حق قرار دیا ہے کہ

اس کے مرنے پر نمازِ جنازہ میں شرکت کی جائے اور جنازے کے ساتھ قبرستان جایا جائے۔

اگرچہ نمازِ جنازہ میں شرکت اور جنازے کے ساتھ قبرستان جانا فرضِ کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ ایسا کرلیں تو باقی مسلمانوں سے فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، یعنی وہ جنازے میں شرکت نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتے، لیکن اگر کوئی شرکت کرے تو اس کا بہت ثواب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

> جو شخص کسی جنازے پر نماز پڑھے، اس کو ایک قیراط ملے گا، اور جو اس کے پیچھے جائے یہاں تک کہ اس کی تدفین مکمل ہوجائے تو اس کو دو قیراط ملیں گے، جن میں سے ایک اُحد کے پہاڑ کے برابر ہوگا۔[1]

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جنت کی نعمتوں اور وہاں ملنے والے اجر وثواب کا چونکہ دُنیا میں تصوّر ممکن نہیں ہے اور نہ ان کو تعبیر کرنے کے لئے انسان کے پاس صحیح الفاظ ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کی سمجھ سے قریب لانے کے لئے ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں جو دُنیا کے معاملات میں رائج اور مشہور ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کی شرکت کے

---

[1] یہ الفاظ جامع ترمذی کی روایت میں آئے ہیں، (ترمذی، کتاب الجنائز حدیث: ۱۰۴۰، باب: ۴۹) لیکن اصل حدیث بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے۔

ثواب کو "قیراط" سے تعبیر فرمایا ہے جو سونے چاندی کا ایک وزن ہوتا تھا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اسے دُنیا کے قیراط کی طرح نہ سمجھا جائے، وہ اپنی عظمت میں اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھنے پر عظیم ثواب الگ ہے، اور جنازے کے ساتھ جاکر تدفین میں شرکت کا ثواب علیحدہ ہے، اور دونوں بڑے عظیم ثواب ہیں۔ اور ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

جو شخص (جنازہ اُٹھنے سے پہلے) میت کے گھر جائے، اس کو ایک قیراط ملے گا، پھر اگر جنازے کے پیچھے چلے اسے ایک اور قیراط، پھر اگر وہ اس پر نماز پڑھے تو ایک اور قیراط، پھر اگر تدفین تک انتظار کرے تو ایک اور قیراط۔ (فتح الباری ج:۳ ص:۱۹۴ بحوالہ مسند بزار)

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چاروں اعمال الگ الگ نیکیاں ہیں، اور ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ ثواب ہے، اور ہر ثواب بہت عظیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حدیث معلوم نہیں تھی، جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی معرفت انہیں معلوم ہوئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کی تصدیق کی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حسرت سے فرمایا:-

ہم نے تو بہت سے قیراط یقیناً ضائع کردیئے۔ (ترمذی)

نمازِ جنازہ میں بہت سے لوگ رسماً شریک ہوتے ہیں، لیکن بسا اوقات نمازِ جنازہ کا صحیح طریقہ بھی نہیں آتا، ذرا سی توجہ سے نماز کا طریقہ سیکھ

لینا چاہئے۔ اور شرکت میں رسم کی پابندی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کرنی چاہئے، اِن شاء اللہ اس پر بڑا اجر و ثواب ملے گا، جیسا کہ اُوپر گزرا، نمازِ جنازہ کے بعد جنازے کے پیچھے چل کر اس کی تدفین میں شرکت ایک مستقل نیک عمل ہے، اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل نفلی نماز سے بھی افضل ہے۔ (فتح الباری ج:۳ ص:۱۹۳، بحوالہ عبدالرزّاق)

(۱۳) تعزیت اور مصیبت زدہ کی تسلّی

کسی شخص کے انتقال پر اس کے گھر والوں سے تعزیت کرنا، اور اپنے قول و فعل سے ان کی تسلّی کا سامان کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔

(جامع ترمذی، کتاب الجنائز، حدیث:۱۰۷۳)

ترجمہ:- جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلّی) کرے اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس مصیبت زدہ کو اس مصیبت پر ملتا ہے۔

واضح رہے کہ "تعزیت" کا مطلب بعض لوگ "اِظہارِ غم" سمجھتے ہیں، اور اس وجہ سے میّت کے گھر والوں کی تسلّی کا سامان کرنے کے بجائے اُلٹا انہیں صدمہ یاد دِلا دِلا کر مزید غم میں مبتلا کرتے ہیں۔ حقیقت میں "تعزیت"

کے معنی ''تسلّی دینے'' کے ہیں، لہٰذا ہر وہ طریقہ اِختیار کرنا ''تعزیت'' میں داخل ہے جس سے غم زدہ افراد کی ڈھارس بندھے، جس سے انہیں قرار آئے، جس سے ان کا دِل بہلے اور ان کے صدمے کے احساس کی شدّت کم ہو۔

اور تسلّی دینے کا یہ ثواب صرف کسی کے انتقال ہی کے موقع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اُوپر کی حدیث میں ہر مصیبت زدہ کو تسلّی دینے کا بھی وہی اُجر وثواب بیان فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا جس کسی شخص کو کوئی بھی تکلیف یا صدمہ پہنچا ہو تو اس کو تسلّی دینے اور اس کی تسلّی کا سامان کرنے کا بھی وہی اجر وثواب ہے جو اس شخص کو اس تکلیف یا صدمے پر مل رہا ہے۔

(۱۴) اللہ کے لئے محبت کرنا

کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر محبت رکھنا بھی بڑا عظیم الشان عمل ہے جس پر بہت اجر وثواب کے وعدے کئے گئے ہیں۔ ''اللہ کے لئے محبت کرنے'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی سے کوئی دُنیوی مفاد حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ یا تو اس سے اس لئے محبت کی جائے کہ وہ زیادہ دِین دار، متقی، پرہیزگار ہے، یا اس کے پاس دِین کا علم ہے، یا وہ دِین کی خدمت میں مشغول ہے، یا اس لئے محبت کی جائے کہ اس سے محبت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، مثلاً والدین۔

ایسی محبت کو اَحادیث میں ''حُبّ فی اللہ'' (اللہ کے لئے محبت) کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت کی

خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج جبکہ
میرے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے، میں ایسے
لوگوں کو اپنے سائے میں رکھوں گا۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:-

اللہ کی عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے
قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے، اور لوگ ان
پر رشک کریں گے۔ (جامع ترمذی، کتاب الزہد)

ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ مشہور تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں
کہ میں جامع دمشق میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر
ہوا اور ان سے عرض کیا کہ: "بخدا! مجھے آپ سے اللہ کی خاطر محبت ہے" انہوں
نے بار بار مجھ سے قسم دے کر پوچھا کہ: کیا واقعی تمہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر مجھ سے
محبت ہے؟ جب میں نے ہر بار اقرار کیا تو انہوں نے میری چادر پکڑ کر اپنی
طرف کھینچا اور فرمایا:-

خوشخبری سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ
فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میری
محبت ان لوگوں کو لازمی طور پر حاصل ہوگی جو میری خاطر
آپس میں محبت رکھتے ہیں، جو میری خاطر ایک دوسرے
کے ساتھ بیٹھتے ہیں، جو میری خاطر ایک دوسرے کی

ملاقات کو جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دُوسرے کے
لئے خرچ کرتے ہیں۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الشعر)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت رکھنا چونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ سے محبت کا اَجر وثواب ملتا ہے، اور اس محبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: "یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: "تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟" عرض کیا کہ: "تیاری تو کچھ نہیں، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جس سے محبت کرتے ہو، اسی کے ساتھ ہوگے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) فرماتے ہیں کہ: ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز سے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ: مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت ہے، اور اس محبت کی وجہ سے اُمید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرے اعمال ان کے اعمال کے برابر نہیں ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ)

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کسی سے محبت رکھنا بہت فضیلت کا عمل ہے،

اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دُنیا میں بھی نیک عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی نیک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہمیشہ اللہ کے لئے محبت رکھنی چاہئے اور اس نیت سے رکھنی چاہئے کہ اس محبت کی برکت سے مجھے بھی نیکی کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

ترجمہ:- میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں، اگر چہ خود نیکوں میں سے نہیں ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرمادیں۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے محبت کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے بھائی کو بتادے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، ترمذی، کتاب الزہد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں ایک اور شخص وہاں سے گزرا، بیٹھے ہوئے شخص نے کہا کہ: ''یا رسول اللہ! مجھے اس شخص سے محبت ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا تم نے اسے بتادیا ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے بتادو!'' وہ شخص اُٹھا اور جانے والے کے پاس پہنچ کر اس نے کہا: ''میں تم سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں'' اس نے کہا: ''جس

اللہ کے لئے تم مجھ سے محبت کرتے ہو، خدا کرے کہ وہ تم سے محبت کرے۔"

⑮ کسی مسلمان کی مدد کرنا

کسی مسلمان کا کوئی ضروری کام کردینا، یا اس کے کام میں مدد کرنا، یا اس کی کوئی پریشانی دُور کردینا بھی ایسا عمل ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ:- جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں، اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دُور کرے، اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں اس سے قیامت کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دُور فرمادیتے ہیں۔

(ابوداؤد کتاب الادب، باب المواخات)

کسی شخص کو راستہ بتادینا، کسی کا سامان اُٹھانے میں اس کی مدد کردینا، غرض خدمتِ خلق کے تمام کام اس حدیث کی فضیلت میں داخل ہیں، جو لوگ

دُوسروں کے کام آتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑی فضیلت والے لوگ ہیں، حدیث میں ہے کہ:-

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ۔

ترجمہ:- لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

لہٰذا خدمتِ خلق کا ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے مواقع تلاش کرنے چاہئیں، اس سے انسان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص پر ظلم ہو رہا ہو تو اس کو ظلم سے بچانے کی اِمکانی کوشش ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا یا وعدہ خلافی کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ (ترمذی، البر والصلۃ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:-

جس جگہ کسی مسلمان کی بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبرو پر دست درازی ہو رہی ہو وہاں جو مسلمان اس شخص کو بے یار و مددگار چھوڑ جائے اللہ تعالیٰ اس کو ایسے مواقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا، اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے آبروئی یا بے حرمتی ہو رہی ہو وہاں اگر کوئی مسلمان اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ اس کی مدد کریں گے جہاں وہ مدد کا

خواہش مند ہوگا۔ (ابوداؤد، ادب)

مسلمان کی مدد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر کسی جگہ اس پر غلط الزامات لگائے جارہے ہوں یا غلط باتیں اس کی طرف منسوب کی جارہی ہوں تو ان الزامات کا جائز دفاع کیا جائے، چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ترمذی البر والصلۃ باب:۲۰)

ترجمہ:- جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کا دِفاع کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو ہٹا دیں گے۔

⑯ جائز سفارش کرنا

کسی مسلمان کے لئے جائز سفارش کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا

(النساء:۸۵)

ترجمہ:- جو شخص کوئی سفارش کرے اس کو اس میں سے حصہ ملے گا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا۔ (ابوداؤد ونسائی)

ترجمہ:- سفارش کرو تمہیں ثواب ملے گا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک شخص نے آکر آپ سے کچھ فرمائش کی، آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ: (ان کی) سفارش کرو تا کہ تمہیں ثواب ملے۔ (بخاری کتاب الادب)

اچھی سفارش بذاتِ خود نیک عمل ہے، خواہ متعلقہ شخص کا کام اس سفارش سے بن جائے یا نہ بنے اور اگر کام بن گیا تو اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ دُہرا ثواب ملے گا۔

لیکن اس بات کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ سفارش جائز مقصد کے لئے ہو اور اس سے کوئی ناجائز یا ناحق کام نکلوانا مقصود نہ ہو، کیونکہ ناجائز سفارش کا گناہ بھی بہت بڑا ہے، لہٰذا سفارش کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کر لینا واجب ہے کہ جس شخص کی سفارش کی جارہی ہے وہ اس کا مستحق ہے، اور جس کام کے لئے کی جارہی ہے وہ جائز کام ہے۔

اسی طرح سفارش کے معاملے میں دُوسری اہم بات یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی جارہی ہے اس پر کوئی ناواجبی بوجھ نہ پڑنا چاہئے، سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کام اس کے اختیار میں ہے یا نہیں؟ اگر کام اس کے اختیار میں نہیں ہے تو سفارش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اندیشہ ہے کہ سفارش سے اس کو شرمندگی ہوگی۔ اور اگر یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ کام اس کے اختیار میں ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں حتمی انداز میں سفارش نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ صراحت کردینی ضروری ہے کہ اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو تو کردیں۔

نیز اگر کوئی کام کسی شخص کے اختیار میں بھی ہو تو بسا اوقات وہ کچھ خاص قواعد وضوابط یا ترجیحات قائم کر لیتا ہے، ایسی صورت میں بھی سفارش حتمی طور سے کرنے کے بجائے ایسے انداز سے کرنی چاہئے جس سے اس پر اپنے قواعد یا ترجیحات کے خلاف کوئی کام کرنے کا ایسا دباؤ نہ پڑے جس سے وہ بوجھ محسوس کرے۔

آج کل عموماً سفارش کرتے ہوئے بس یہ بات تو ذہن میں رکھ لی جاتی ہے کہ سفارش کرنا ثواب ہے، لیکن سفارش کے جو احکام اور آداب شریعت نے مقرر فرمائے ہیں ان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، خاص طور سے اس بات کی تو بہت کم لوگ رعایت کرتے ہیں کہ جس شخص سے سفارش کی جارہی ہے، اس کو تکلیف نہ ہو، لہٰذا یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہئے کہ شریعت میں ہر چیز کے آداب و احکام ہیں، اور ان کی رعایت ضروری ہے، کسی ایک مسلمان کو فائدہ پہنچانے کے لئے کسی دوسرے شخص کو ناواجبی تنگی یا تکلیف میں ڈالنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۱۷) کسی کے عیب کی پردہ پوشی

اگر کسی مسلمان کے کسی عیب کا علم ہو جائے تو جب تک اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، اس کی پردہ پوشی بھی بڑے ثواب کا کام ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ)

ترجمہ:- جو کوئی بندہ کسی دُوسرے بندے کی پردہ پوشی
کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی
فرمائیں گے۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ رَأى عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَا مَوْءُدَةً۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ومستدرک حاکم ج:۴ ص:۳۸۴)

ترجمہ:- جو شخص کسی کا کوئی عیب دیکھے اور اسے چھپالے
تو اس کا یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی زندہ درگور کی جانے والی
لڑکی کو بچالے۔

"پردہ پوشی" یا "عیب چھپانے" کا مطلب یہ ہے کہ دُوسروں سے اس کا ذکر نہ کرے اور اس عیب کی تشہیر نہ کرے، لیکن اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں۔

۱- کسی کے عیب کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس عیب کے بارے میں سوال کرے تو اوّل تو جواب کو ٹلانے کی کوشش کرے، اور اگر جواب دینا پڑ جائے تو کوئی بات خلافِ واقعہ نہ کہے۔

۲- کسی کے عیب کی پردہ پوشی اسی وقت جائز ہے جب اس عیب کا اثر اس شخص کی ذات کی حد تک محدود ہو، لیکن اگر اس سے کسی دُوسرے شخص کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو متعلقہ شخص کو اس عیب کے بارے میں بتادینا جائز،

بلکہ موجبِ ثواب ہے بشرطیکہ نیت دُوسرے کو نقصان سے بچانے کی ہو، رُسوا کرنا مقصد نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کا پیسہ دھوکے سے لے کر کھا جاتا ہے یا قرض لے کر واپس کرنے کا اہتمام نہیں کرتا اور ناواقف لوگ اس کے ساتھ معاملہ کر کے نقصان اُٹھا سکتے ہیں، تو جن لوگوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو انہیں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کہیں شادی کا پیغام دیا ہے اور لڑکی والے اس کے حالات کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو انہیں صحیح صورتِ حال سے باخبر کر دینا دُرست ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں میں نیت انہیں نقصان سے بچانے کی ہونی چاہئے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے معاشرے میں بُرائی پھیلنے کا اندیشہ ہے تو متعلقہ حکام کو اس سے باخبر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، بلکہ باخبر کرنا موجبِ ثواب ہے، بشرطیکہ نیت اصلاحِ معاشرہ کی ہو، مجرم سے ذاتی انتقام لینا یا دُشمنی نکالنا مقصود نہ ہو۔

(١٨) نیکی کی ہدایت کرنا

کسی دُوسرے شخص کو کسی نیک کام پر آمادہ کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے، اگر ایک شخص کی کوشش سے کوئی دُوسرا شخص کسی نیک کام پر تیار ہو جائے، تو اس نیک کام کا جتنا ثواب کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جس نے اس نیک کام میں اس کی رہنمائی کی۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص کسی نیک کام کی طرف کسی کی رہنمائی کرے، اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کے کرنے والے کو ملے گا۔''
(صحیح مسلم)

اور نیک کام کی طرف یہ رہنمائی اگر اجتماعی شکل میں ہو، یعنی بہت سے لوگوں کو نیکی کی ترغیب دی جائے، اور اس ترغیب کے نتیجے میں وہ کام کرلیں تو سب لوگوں کی نیکیوں کا ثواب رہنمائی کرنے والے کو ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

> مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا، وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا۔ (صحیح مسلم)
>
> ترجمہ:- جو شخص ہدایت کی دعوت دے، اس کو ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اس کی ہدایت پر عمل کریں، اور ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اور جو شخص کسی گمراہی کی دعوت دے، اس کو ان تمام لوگوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کی دعوت پر عمل کریں، اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

یہ ثواب تو اس وقت ہے جب دُوسرا شخص رہنمائی کرنے والے کی

بات پر عمل کر لے، لیکن اگر بالفرض وہ عمل نہ بھی کرے تب بھی ان شاء اللہ خیر خواہانہ نصیحت کا ثواب ملے گا، کیونکہ حدیث میں ہے:-

أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ۔

(صحیح مسلم)

ترجمہ:- نیکی کا حکم دینا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے، اور بُرائی سے روکنا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔

لہٰذا جب کسی شخص کو کوئی اچھی بات بتانے یا کسی نیکی کا مشورہ دینے کا موقع ملے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے، البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کام کے لئے طریقہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے سننے والے کی رسوائی یا دِل آزاری نہ ہو، مجمع میں روک ٹوک نہ کی جائے، اور انداز متکبرانہ اور حقارت آمیز نہ ہو، بلکہ تنہائی میں ایسے نرم لہجے کے ساتھ بات کی جائے جس میں دل سوزی، دردمندی اور خیر خواہی نمایاں ہو، اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جائے جس میں سننے والے کا ذہن مشوش نہ ہو۔ غرض حکمت اور خیر خواہی کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(النحل:۱۲۵)

ترجمہ:- اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔

(۱۹) صدقہ خیرات

صدقہ خیرات کی کثرت بھی انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے، گناہوں کی معافی اور دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ قرآن وحدیث میں صدقے اور بھلائی کے کاموں میں پیسہ خرچ کرنے کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں، جن کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ نے "فضائلِ صدقات" کے نام سے اس موضوع پر جو کتاب تحریر فرمائی ہے، وہ اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے، اس لئے یہاں قرآن وحدیث کے بیان کردہ اُن فضائل کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، جو حضرات چاہیں وہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

لیکن یہاں جس چیز کی طرف توجہ دِلانی ہے، وہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات کے فضائل حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ زیادہ روپیہ ہی خرچ کیا جائے، بلکہ ہر شخص اپنی مالی حیثیت کے مطابق صدقہ خیرات کر کے یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے، اگر کسی شخص کے پاس ایک ہی روپیہ ہو، اور وہ اس میں سے ایک پیسہ کسی نیک کام میں خرچ کردے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک لاکھ روپے کا مالک ایک ہزار روپے صدقہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر و قیمت اخلاص کی ہے، اِخلاص کے ساتھ کم سے کم مقدار کا صدقہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، اور اس پر صدقہ خیرات کے تمام

فضائل حاصل ہو سکتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:-

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ترجمہ:- جہنم کی آگ سے بچو، خواہ ایک کھجور کے آدھے حصے ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔

یعنی اگر کسی شخص کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کوئی اور چیز نہ ہو اور وہ آدھی کھجور ہی کسی ضرورت مند کو دیدے تو اس سے بھی صدقے کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بھی گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی مالی حالت کمزور ہو، وہ بھی اپنے آپ کو صدقے کے فضائل سے محروم نہ سمجھیں، بلکہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق کم سے کم خرچ کر کے بھی اس سعادت میں حصے دار بن سکتے ہیں۔

بعض لوگ اپنے مال کی زکوۃ نکال کر بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں اور زکوۃ کے علاوہ ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کے روادار نہیں ہوتے، بلکہ تمام بھلائی کے مصارف زکوۃ ہی سے پورے کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، ایسا کرنا مناسب نہیں۔

زکوۃ تو ایک فریضہ ہے، اور اس فریضے کے مصارف مخصوص ہیں، نیکی کے بہت سے کام ایسے ہیں جس میں زکوۃ خرچ نہیں ہو سکتی، مثلاً مسجد میں چندہ دینا وغیرہ، اس لئے کچھ رقم زکوۃ کے علاوہ بھی نیک مصرف میں خرچ کرتے رہنا

چاہئے، اس غرض کے لئے بزرگانِ دِین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا کچھ فیصد حصہ خیرات کے لئے مخصوص کرلیا کرتے تھے، اور جب بھی کوئی آمدنی آتی، اس کا اتنا حصہ الگ کر کے ایک تھیلے یا لفافے میں رکھتے رہتے تھے۔ حضرت حکیم الأمت مولانا تھانوی قدس سرہٗ تو اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ (بیس فیصد) ہمیشہ اس کام کے لئے الگ کرلیا کرتے تھے، بعض دُوسرے بزرگ بیسواں حصہ یا دسواں حصہ نکال کر الگ رکھ لیتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی خیرات کا مصرف سامنے آتا ہے، اس کے لئے سوچنا نہیں پڑتا، بلکہ وہ لفافہ یاد دہانی کراتا رہتا ہے کہ میرے لئے کوئی نیک مصرف تلاش کرو۔ اور وقت پر خیرات کرنے کے لئے پیسے کا انتظام کرنے میں تکلیف نہیں ہوتی، اور آسانی سے مصارفِ خیر میں خرچ کرنے کی توفیق ہوتی رہتی ہے۔

ہر شخص اپنے مالی حالات کے پیشِ نظر اگر ایک مخصوص حصہ اس کام کے لئے الگ کرلیا کرے تو اَجر وثواب حاصل کرنے کا یہ سلسلہ مستقل قائم ہوجاتا ہے، ضروری نہیں کہ ہر شخص پانچواں یا دسواں حصہ ہی مخصوص کرے، اپنے حالات کے مطابق جتنا کم سے کم حصہ بھی مقرّر کرسکے، اِن شاء اللہ خیر ہی خیر ہے۔

صدقہ خیرات میں اصل نیت تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی رکھنی چاہئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ یہ رہا ہے کہ صدقہ خیرات کا معمول رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ دُنیا میں بھی بہت کچھ دیتا ہے، حدیث میں ہے کہ: ''صدقے سے مال میں کمی نہیں ہوتی''، یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے رزق میں بھی برکت عطا فرماتے ہیں۔

(۲۰) معاف کردینا

کسی شخص کو دُوسرے نے تکلیف پہنچائی ہے، تو اسے شریعت کی حدود میں رہ کر بدلہ لینے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر وہ بدلہ لینے کے بجائے اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بہت اجر وثواب ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ

(النور:۲۲)

ترجمہ:- اور انہیں چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کریں؟

یعنی کون شخص دُنیا میں ایسا ہے جس سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو، اور ہر شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غلطی کو معاف فرمادیں، لہٰذا اگر کسی دُوسرے سے کوئی غلطی ہوجائے تو یہ سوچنا چاہئے کہ جس طرح میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواہش مند ہوں، اسی طرح مجھے بھی دُوسروں کو معاف کردینا چاہئے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص دُوسروں کو معاف کرنے کی رَوِش اختیار کرے، اِن شاء اللہ اُمید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی غلطیوں کی مغفرت فرمائیں گے۔

یہ بات متعدّد اَحادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابوالدرداء

رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهِ فَيَتَصَدَّقُ بِهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهِ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهِ خَطِيئَةً۔

ترجمہ:- جس کسی شخص کے جسم کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے، اور وہ اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرمادیتے ہیں اور اس عمل کی وجہ سے اس کا گناہ معاف فرماتے ہیں۔

جامع ترمذی میں ہے کہ: ایک شخص کا دانت کسی نے توڑ دیا تھا، وہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بدلہ لینے کی غرض سے پہنچا، وہاں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کو اُوپر والی حدیث سنادی تو اس نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر کے اپنے مدِمقابل کو معاف کردیا۔

(جامع ترمذی، کتاب الدیات، حدیث: ۱۴۱۲)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دُوسرے کو معاف کرنے کے بجائے اس سے بدلہ لے، یعنی اس کو بھی ویسی ہی تکلیف پہنچادے تو اس سے اس کا کیا فائدہ ہوا؟ یا اگر کسی نے ایسی تکلیف پہنچائی ہے جس کا بدلہ لینا ممکن نہیں ہے تو اس کو معاف نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا۔

یہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر اس کو آخرت میں عذاب ہوا تو اس سے مجھے کیا فائدہ ہے؟ اس کے بَرخلاف اگر اس کو معاف کردیا تو اس سے میرے گناہ معاف ہوں گے، عذابِ جہنم سے نجات ملے گی اور اللہ تعالیٰ درجات

بلند فرمائیں گے۔ لہٰذا عقل کی بات یہی ہے کہ معاف کر کے یہ فضیلت حاصل کی جائے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا یا آخرت میں اس سے انتقام نہ لیا جائے اور بس! اگر کوئی شخص دُوسرے کو اس طرح معاف کر دے تو یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس سے دِل بھی کھل جائے، کیونکہ دِل کا کھل جانا اختیاری بات نہیں ہوتی، وہ زیادہ تر دُوسرے شخص کے آئندہ رویے پر موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر دِل میں اس شخص کی طرف سے اِنقباض رہا اور خوشگوار تعلقات قائم نہ ہو سکے، لیکن اس شخص نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا، اور تعلقات صرف حقوق کی ادائیگی (سلام کا جواب وغیرہ) کی حد تک رکھے، تب بھی اِن شاء اللہ معاف کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

اسی طرح معاف کرنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کی طرف سے آئندہ اس قسم کی تکلیف پہنچنے کا سدِّباب نہ کیا جائے، اگر اندیشہ ہو کہ وہ شخص دوبارہ ایسی حرکت کرے گا تو اس کے سدِّباب کے لئے کوئی اِقدام کرنا بھی معافی کے خلاف نہیں ہے، ایسی صورت میں اپنا سابقہ حق تو معاف کر دیا جائے لیکن آئندہ اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے بااختیار افراد سے مدد لی جائے، تب بھی اِن شاء اللہ معافی کی فضیلت حاصل رہے گی۔

جب کبھی کسی شخص کے خلاف انتقام کا جذبہ پیدا ہو، یہ سوچ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں

لیا، جب کافر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے اور اس سے آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا، تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:-

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ، فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:- اے اللہ! میری قوم کو معاف کردیجئے، ان لوگوں کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔

(۳۱) نرم خوئی

لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے، جس پر بہت ثواب ملتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ، وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَا لَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ، وَمَا لَا یُعْطِیْ عَلٰی مَا سِوَاهُ۔
(صحیح مسلم)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں، اور نرمی کے معاملے کو پسند فرماتے ہیں، اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو تندی اور سختی پر نہیں دیتے (بلکہ) کسی اور چیز پر نہیں دیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور حدیث نقل فرماتی ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ. (صحیح مسلم)

ترجمہ:- نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اسے زینت بخشے گی، اور جس چیز سے بھی ہٹالی جائے گی اس میں عیب پیدا کردے گی۔

نرم خوئی کا مطلب یہ ہے کہ غصے سے مغلوب ہوکر سخت الفاظ یا سخت رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے، دُوسرے سے نرم الفاظ اور نرم لب و لہجے میں بات کی جائے، اگر کسی کو ٹوکنا ہو یا اس سے اختلاف کا اظہار کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ایسا انداز اختیار کیا جائے جس میں کُھردرے پن اور دُرشتی کے بجائے خیر خواہی، تواضع اور دِلسوزی کا پہلو نمایاں ہو، اگر کسی چھوٹے کی تربیت کے لئے اس پر غصہ کرنا ضروری ہو تو وہ بھی صرف بقدرِ ضرورت اور اعتدال کی حدود میں ہو۔

اسی طرح نرم خوئی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ بات بات پر لوگوں سے اُلجھنے، بحث کرنے یا جھگڑنے سے پرہیز کیا جائے، اور لوگوں سے حتی الامکان حسنِ ظن کا معاملہ کیا جائے، یہاں تک کہ جب کسی سے خرید و فروخت وغیرہ کا معاملہ پڑے تو اس میں بھی قیمت وغیرہ کے معاملے میں ضد اور بحث کا انداز اختیار نہ کیا جائے، اگر معاملہ قابلِ قبول ہو تو قبول کرلیا جائے، اور قابلِ قبول نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے، لیکن دُوسرے کو اپنی بات ماننے پر مجبور کرنا اور زچ کرنا اچھی

بات نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰی وَاِذَا اقْتَضٰی۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرماتے ہیں جو نرم خو اور درگزر کرنے والا ہو، جب کوئی چیز بیچے اس وقت بھی، جب کوئی چیز خریدے اس وقت بھی، اور جب کسی سے اپنے حق کا تقاضا کرے اس وقت بھی۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تھا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تم نے دُنیا میں کیا عمل کیا؟ تو وہ کہے گا: "میرے پروردگار! آپ نے مجھے اپنا مال دیا تھا، میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کیا کرتا تھا، اور میری عادت درگزر کرنے کی تھی، چنانچہ مال دار کے لئے آسانی پیدا کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا تھا۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: "میں اس طرزِ عمل کا تم سے زیادہ مستحق ہوں" پھر آپ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ: "میرے اس بندے سے درگزر کرو۔" (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَہٗ اَظَلَّہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ۔

(جامع ترمذی)

ترجمہ:- جو شخص کسی تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اس کو قرضے میں رعایت دے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رکھیں گے، جبکہ اُس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّنَجِّیَہُ اللّٰہُ مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُّعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْہُ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:- جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی بے چینیوں سے اس کو نجات عطا فرمائے، اس کو چاہئے کہ وہ کسی تنگ دست کی مشکل آسان کرے یا اس کے قرضے میں رعایت دے۔

(۲۲) صلح کرا دینا

اگر دو مسلمانوں کے درمیان کوئی تنازعہ ہو تو ان کے درمیان صلح

کرادینا بھی نہایت اجر وثواب کا کام ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾ (الحجرات)

ترجمہ:- بلاشبہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، لہٰذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوا ہے:-

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (الانفال:۱)

ترجمہ:- پس اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔

قرآنِ کریم کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرادینا، اور ان کے تعلقات کی دُرستی کی کوشش کرنا کتنا نیک عمل ہے، اس غرض کے لئے دونوں کو ایک دُوسرے کی ایسی باتیں پہنچانی چاہئیں جن سے اُن کے درمیان آپس میں محبت پیدا ہو، اور غلط فہمیاں دُور ہوں۔ یہاں تک کہ اس غرض کے لئے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو بظاہر خلافِ واقعہ معلوم ہوتی ہوں، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو ان میں سے کسی سے یہ کہہ دینا: ''وہ شخص تو تمہارے لئے دُعائے خیر کرتا ہے'' اور دِل میں یہ نیت کر لینا کہ: ''وہ تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت کی عام دُعا کرتا ہے، اور تمام مسلمانوں میں اس کا مدِمقابل بھی داخل ہے'' اسی قسم کی باتوں کے بارے میں آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ فَیَنْمِیْ خَیْرًا اَوْ یَقُوْلُ خَیْرًا۔ (صحیح بخاری، مسلم)

ترجمہ:- وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان مصالحت کرائے اور کوئی بھلائی کی بات دُوسرے تک پہنچائے، یا کوئی بھلائی کا کلمہ کہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

یَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَۃٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ:- دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ (کی طرح موجبِ ثواب) ہے۔

لوگوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرنا ایک شیطانی عمل ہے، اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو کسی عمل سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی دلوں میں پھوٹ ڈالنے سے خوشی ہوتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہ اپنا سب سے بڑا کارنامہ اس کو سمجھتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دے۔

اس کے برخلاف اگر دو مسلمانوں کے درمیان، خاص طور سے میاں بیوی کے درمیان، غلط فہمیاں دُور کر کے ان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ انتہائی ثواب کا کام ہے۔

یہ بات خاص طور سے ان لوگوں کو یاد رکھنی چاہئے جو ایک ساتھ رہتے ہیں، تیز ساس بہو اور نند بھاوج کے درمیان ہمارے معاشرے میں جو

تنازعات ہوتے ہیں، وہ عموماً اسلام کی اس تعلیم کو نظر انداز کرنے سے ہوتے ہیں، اگر اس تعلیم پر عمل کیا جائے تو دُنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔

(۲۳) یتیموں اور بیواؤں کی مدد

یتیموں اور بیواؤں کی مدد بھی بہت فضیلت کا عمل ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ (البقرة:۲۲۰)

ترجمہ:- اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان کے حالات دُرست کرنا بڑی بھلائی ہے۔

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا، وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ:- میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، اور یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی اُنگلی اور بیچ کی اُنگلی میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ فرمایا۔

اس حدیث میں کسی یتیم کی سرپرستی کی اتنی عظیم فضیلت بیان کی گئی

ہے کہ اس کی عظمت کا تصور بھی مشکل ہے، یعنی ایسا شخص جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ سے نہایت قریب ہوگا، اس انتہائی قرب کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ اس قسم کا قرب ہوگا جیسا شہادت کی اُنگلی اور بیچ کی اُنگلی ایک دُوسرے سے قریب ہوتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ یتیم کی سرپرستی کرنے والا خواہ اس کا کوئی رشتہ دار ہو، مثلاً ماں، دادا، بھائی وغیرہ یا رشتہ دار نہ ہو، دونوں صورتوں میں وہ اس اَجر وثواب کا حق دار ہوگا۔ (ریاض الصالحین ص:۱۱۸ بحوالہ مسلم)

اور بیوہ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَاُحْسِبُهٗ قَالَ: وَکَالْقَائِمِ الَّذِیْ لَا یَفْتُرُ، وَکَالصَّائِمِ الَّذِیْ لَا یُفْطِرُ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ترجمہ:- جو شخص کسی بیوہ یا کسی مسکین کے لئے کوشش کرے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، اور (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے نماز میں کھڑا ہو، اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ نہ چھوڑتا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے حسنِ سلوک کیا جاتا ہو، اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہو۔

(الترغیب للمنذری ج: ۴ ص: ۱۴۷، بحوالہ ابنِ ماجہ)

قرآن و حدیث یتیموں اور بیواؤں کی مدد کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن ان چند ارشادات ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے، لہٰذا جب بھی کسی یتیم یا بیوہ کے ساتھ کسی بھلائی کا موقع ملے، اس کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے، اور جس قسم کی بھلائی یا مدد کی توفیق ہوجائے، اسے غنیمت سمجھنا چاہئے، اِن شاء اللہ ان فضائل میں سے حصہ ضرور ملے گا، بشرطیکہ نیت دِکھاوے کی نہ ہو، نہ احسان جتانا پیشِ نظر ہو، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کام کیا جائے، جس کا ایک اثر یہ بھی ہونا چاہئے کہ اگر اس کی طرف سے کوئی شکریہ یا صلہ موصول نہ ہو تب بھی اس کام کو بےکار نہ سمجھے اور یہ سوچے کہ اجر اس سے نہیں، اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوگا۔

(۲۴) اہل وعیال پر خرچ کرنا

اس دُنیا میں کون ہے جو اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے کے انتظام کی فکر نہیں کرتا؟ بعض بے حس افراد کو چھوڑ کر تقریباً ہر شخص کی معاشی دوڑ دُھوپ

کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کے اہل وعیال خوش حالی اور فراغت کی زندگی بسر کریں، لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات پر روپیہ پیسہ خرچ کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک دِینار وہ ہے جو تم اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو، ایک دِینار وہ ہے جو تم کسی غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرو، ایک دِینار وہ ہے جو کسی مسکین کو دینے میں خرچ کرو، اور ایک دِینار وہ ہے جو تم اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) پر خرچ کرو، ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دِینار کا ہے جو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں پر خرچ کرنے کو دُوسرے مصارفِ خیر پر خرچ کرنے سے افضل قرار دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر والوں کا نفقہ انسان کے ذمے فرض ہے، اور دُوسرے مصارفِ خیر نفلی نوعیت کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ فرض کی ادائیگی کا ثواب نفل کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ گھر والوں پر خرچ کرنا اس وقت زیادہ ثواب کا حامل ہے جب گھر والے ضرورت مند ہوں، لیکن اگر ان کی ضروریات مناسب طریقے پر پوری کی جاچکی ہوں، تو اس وقت دُوسروں پر خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! میرے جو بیٹے میرے سابق شوہر ابوسلمہ سے

ہیں، جب میں اس پر کچھ خرچ کرتی ہوں تو کیا اس پر بھی ثواب ملتا ہے؟ حالانکہ وہ میرے ہی بیٹے ہیں، اور میں انہیں ایسے ویسے نہیں چھوڑ سکتی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! تمہیں ان پر خرچ کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔"

(بخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا اُجِرْتَ بِھَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فِیْ امْرَاَتِکَ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ:- جو کوئی خرچ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو، اس پر تمہیں ثواب ملتا ہے، یہاں تک کہ جو کھانا تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو، اس پر بھی۔

ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرنے کے لئے اس نیت سے خرچ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق مجھ سے وابستہ فرمائے ہیں، اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کو راضی کرنے کے لئے ان پر خرچ کر رہا ہوں، تو ہر خرچ پر اس کو صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جو کام انسان خود اپنے دِل کی تڑپ کو پورا کرنے کے لئے کرتا ہی ہے، اس کو بھی ذرا سے زاویۂ نظر کی تبدیلی سے اتنے اجر و ثواب کا موجب بنا دیا ہے کہ دُوسرے صدقات اور مصارفِ خیر

سے بھی اس کا ثواب بڑھ گیا۔ لہٰذا اہل وعیال کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر خوب خوش دِلی سے خرچ کرنا چاہئے اور اس میں ہاتھ اور دِل کو تنگ نہ رکھنا چاہئے۔

(۲۵) والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

قرآن وحدیث میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی بہت تاکید آئی ہے، بندوں کے حقوق میں سب سے زیادہ حق والدین کا رکھا گیا ہے، قرآنِ کریم نے بھی کئی مقامات پر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:-

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (النساء:۳۶)

ترجمہ:- اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:-

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (العنکبوت:۸)

ترجمہ:- اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل

پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا'' میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک'' میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ ثواب کی خاطر جہاد میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ: جی ہاں! دونوں زندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تو جاؤ اور ان کی اچھی خدمت کرو'' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کی خدمت کر کے جہاد کرو۔'' (بخاری و مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہو تو جب تک جہاد فرضِ عین نہ ہو جائے، اس وقت تک ان کی خدمت میں مشغول رہنا جہاد میں جانے سے بھی افضل ہے، اور یہ واقعہ عام طور سے مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ یمن کے باشندے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آنا چاہتے تھے، لیکن چونکہ ان کی والدہ کو خدمت کی ضرورت تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس آنے سے منع کر کے والدہ کی خدمت کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے، لیکن والدہ کی خدمت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام

بخشا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے دُعا کرواتے تھے۔ جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ مدینہ طیبہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہائی اشتیاق کے ساتھ ان سے ملنے اور ان کی دُعا لینے کے لئے تشریف لے گئے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک عام حالات میں ایسا عمل ہے جس میں محنت ومشقت زیادہ نہیں ہے، کیونکہ ہر اِنسان کو فطری طور پر اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے، اس لئے ان کی خدمت اور حسنِ سلوک پر دِل خود ہی آمادہ ہوتا ہے، دُوسری طرف والدین کو اپنی اولاد پر جو شفقت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے وہ خود اپنی اولاد سے ایسا کام لینا پسند نہیں کرتے جو اس کے لئے مشکل ہو، بلکہ معمولی سی خدمت سے بھی خوش ہوجاتے ہیں اور دُعائیں دیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اتنا آسان بنادیا ہے کہ ایک حدیث کی رُو سے والدین کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھ لینا بھی ثواب میں حج اور عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ غرض والدین سے محبت رکھ کر، ان کی اطاعت اور خدمت کرکے انسان اپنے نامۂ اعمال میں عظیم الشان نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کرسکتا ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

> وہ شخص ذلیل ہو، وہ شخص ذلیل ہو، وہ شخص ذلیل ہو، جو اپنے والدین میں سے کسی کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوسکے۔
> (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جس نے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا ہو، اس کے لئے جنت کمانا کچھ مشکل کام نہیں تھا، وہ ان کے ساتھ محبت اور ان کی خدمت کر کے بڑی آسانی سے جنت حاصل کرسکتا تھا، لیکن جس شخص نے اس بات کی بالکل پروانہیں کی، وہ ذلیل ہونے کے لائق ہے۔

والدین میں بھی اللہ تعالیٰ نے ماں کی خدمت کا حق زیادہ رکھا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر پوچھا کہ: یارسول اللہ! تمام لوگوں میں میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری ماں!'' انہوں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری ماں!'' انہوں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ''تمہاری ماں!'' انہوں نے چوتھی بار پوچھا کہ: پھر کون؟ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا باپ۔'' (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی بناء پر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ماں کا حق باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی پرورش میں جس قدر تکلیف ماں اُٹھاتی ہے، باپ اتنی نہیں اُٹھاتا۔ ماں کی تکلیفوں کا ذکر قرآنِ کریم نے خاص طور پر فرمایا ہے، دُوسرے ماں کو باپ کے مقابلے میں عموماً خدمت کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماں کی خدمت کو زیادہ فوقیت عطا فرمائی ہے۔

یوں تو والدین کی خدمت ہر حالت میں انسان کے بنیادی فرائض

میں سے ہے، لیکن خاص طور پر جب وہ ضعیف اور بوڑھے ہو جائیں تو قرآن و حدیث میں ان کی خدمت اور دِلداری پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ (بنی اسرائیل)

ترجمہ:- اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اور والدین سے حسنِ سلوک کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو، نہ ان کو جھڑکو، اور ان سے عزّت کی بات کہو اور ان پر رحم کے سبب ان کے آگے اپنے آپ کو پست رکھو، اور یہ کہو کہ: پروردگار! ان پر رحم کیجئے، جیسے انہوں نے مجھے بچپن کی حالت میں پالا تھا۔

بڑھاپے میں والدین کی خدمت پر اس لئے زیادہ زور دیا گیا ہے کہ عموماً وہ اس حالت میں اولاد کو کوئی جسمانی یا مالی فائدہ پہنچانے کے لائق نہیں

رہتے، اس لئے بعض خودغرض لوگ ایسے وقت میں اُن کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ نیز بڑھاپے میں بعض اوقات اُن کے اندر چڑ چڑاپن پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے اُن کی باتیں ناگوار ہونے لگتی ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے توجہ دِلائی ہے کہ ایسے موقع پر خیال کرو کہ تمہارے بچپن میں انہوں نے تمہاری خاطر زیادہ محنت اُٹھائی ہے، اور تمہاری نہ جانے کتنی ناز برداریاں کی ہیں، لہٰذا اب تمہارا فرض ہے کہ اُن کے ناز اُٹھاؤ، اور اُن کی ناگوار باتوں پر صبر کر کے اُن کے ساتھ حسنِ سلوک میں کمی نہ آنے دو۔

بعض مرتبہ لوگ والدین کی زندگی میں اُن کی خدمت اور حسنِ سلوک سے غافل رہتے ہیں، لیکن جب اُن کا انتقال ہو جاتا ہے تو حسرت کرتے ہیں کہ ہم نے زندگی میں اُن کی کوئی خدمت نہ کی، اور اب یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہا، اس لئے اُن کی زندگی ہی میں اس دولت کی قدر پہچاننی چاہئے۔

تاہم والدین کے انتقال کے بعد بھی اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت حاصل کرنے کا دروازہ بالکل بند نہیں ہوتا، حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنوسلمہ کا ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آکر پوچھا کہ: یا رسول اللہ! کیا میرے والدین کی موت کے بعد بھی کوئی ایسا طریقہ باقی رہ گیا ہے جس کے ذریعے میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کر سکوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

نَعَمْ، اَلصَّلَاۃُ عَلَیْھِمَا، وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَاِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا مِنْ بَعْدِھِمَا، وَصِلَۃُ الرَّحْمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا، وَاِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:- ہاں! ان کے حق میں دُعا کرنا، ان کے لئے اِستغفار کرنا، ان کے بعد ان کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنا، اور جن رشتوں کا تعلق اُن ہی سے ہے اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اور اُن کے دوستوں کا اِکرام کرنا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحوم والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت حاصل کرنے کے طریقے ارشاد فرمادیئے ہیں، جن پر ساری عمر عمل کیا جاسکتا ہے۔

(۲۶) والدین کے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک

جیسا کہ پچھلی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے، جس طرح والدین کے ساتھ حسنِ سلوک بڑے ثواب کا عمل ہے، اسی طرح والدین کے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بھی بڑی فضیلت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْہِ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:- بہت سی نیکیوں کی ایک نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے اہلِ محبت سے تعلق جوڑے رکھے (اور اس تعلق کو نبھائے)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مکہ مکرّمہ جارہے تھے، یوں تو وہ اُونٹنی پر سوار تھے، لیکن ایک گدھا بھی ساتھ تھا، جب اُونٹنی کی سواری سے اُکتا جاتے تو کچھ دیر اس گدھے پر سواری کر لیتے تھے، اتنے میں ایک دیہاتی شخص راستے میں ملا، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا اور اس کے والد کا نام پوچھا، جب اس نے بتادیا تو آپ نے اپنا گدھا اُس کو دے دیا، اور اپنا عمامہ بھی اُتار کر اس کو تحفۃً دے دیا۔ ساتھیوں نے کہا کہ: دیہاتی لوگ تو ذرا سی چیز سے بھی خوش ہو جاتے ہیں، آپ نے اس شخص کو اتنی قیمتی چیزیں کیوں دیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: اس شخص کے والد میرے والد کے دوست تھے، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''بہت سی نیکیوں کی ایک نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے اہلِ محبت سے تعلق جوڑے رکھے۔'' (مسلم)

لہٰذا اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ والدین کے عزیزوں اور دوستوں سے تعلقات نبھائے جائیں، اور ان سے حسنِ سلوک کیا جائے۔

۲۷ میاں بیوی کا آپس میں حسنِ تعلق

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا، اس کے ساتھ خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنا، اور اس کی ناگوار باتوں پر صبر کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ:- مسلمانوں میں کامل ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے ہوں، اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہترین ہوں۔

وہ حدیث پیچھے گزر ہی چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو کھانے کی چیز تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو، اس پر بھی تمہیں ثواب ملتا ہے۔" بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ میاں بیوی آپس میں جو جنسی عمل کرتے ہیں، اس پر بھی ثواب ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! ہم لوگ اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں، کیا اس پر بھی اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص یہ خواہش حرام طریقے پر پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ (یقیناً ہوتا) تو جو شخص اسے حلال طریقے سے پورا کر رہا ہے اس کو اجر ملے گا۔" (صحیح مسلم)

بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ جب شوہر گھر میں آ کر اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور بیوی شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میاں بیوی چونکہ ہر وقت ساتھ رہتے اور طویل مدت تک ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں، اس لئے کبھی نہ کبھی ایک دُوسرے سے ناگواری پیش آجانا بھی ایک فطری سی بات ہے، لیکن اگر اس ناگواری کو لڑائی جھگڑے اور ایک دُوسرے پر ظلم وزیادتی کا ذریعہ بنالیا جائے تو دُنیا کی مسرتیں بھی غارت ہوجاتی ہیں اور میاں بیوی کے آپس میں حسنِ سلوک کا اَجر وثواب بھی ضائع ہوجاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع کے لئے بھی بڑا زرّیں دستور العمل عطا فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن باتوں سے ناگواری ہورہی ہے، صرف ان ہی کو نہ دیکھو، یہ بھی سوچو کہ جس کی باتیں ناگوار ہورہی ہیں اسی میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں، ان خوبیوں پر دھیان دینے سے ناگواری میں یقیناً کمی آئے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ (النساء)

ترجمہ:- پھر اگر تم (بیویوں) کو ناپسند کرتے ہو تو (یہ سوچو کہ) عین ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرتے ہو، اور اللہ نے اس میں بہت بھلائی رکھی ہو۔

اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَا یَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، اِنْ کَرِہَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ۔

ترجمہ:- کوئی مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے کلی طور پر بغض نہ رکھے، اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہوگی تو کوئی دُوسری بات پسند بھی ہوگی۔

اگر میاں بیوی اس اُصول پر عمل کرتے ہوئے ایک دُوسرے سے محبت کے ساتھ زندگی گزاریں، اور ایک دُوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک کی پوری کوشش کریں تو ان کی ازدواجی زندگی مسرتوں سے مالامال بھی ہوجائے گی اور حسنِ سلوک کی وجہ سے دونوں کے اجروثواب میں بھی زندگی بھر اضافہ ہوتا رہے گا۔

(۲۸) صلہ رحمی

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کو "صلہ رحمی" کہا جاتا ہے، اور "صلہ رحمی" بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، جس پر اللہ تعالیٰ بہت ثواب عطا فرماتے ہیں، قرآنِ کریم نے بھی کئی مقامات پر صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اس کے فضائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:-

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی۔ (النساء:۳۶)

ترجمہ:- اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ۔

نیز ارشاد ہے:-

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ (النساء:۱)

ترجمہ:- اور اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (حقوق کے) مطالبے کرتے ہو، اور رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر لمبی ہو، اسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے۔

صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے، ان کے دُکھ سُکھ میں شامل رہے، ان کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو جائز طور پر ان کی مدد کرے۔

لیکن ''صلہ رحمی'' کے بارے میں چند باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔

۱ بعض لوگ رشتہ داروں کی رعایت اس حد تک کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بھی دریغ نہیں کرتے، اور اپنے اس عمل کو ''صلہ رحمی'' کا حصہ سمجھتے ہیں، مثلاً رشتہ داروں کے اصرار پر کسی گناہ میں شریک ہو جانا، ان کی ناجائز سفارش کر دینا، یا انہیں ایسی ملازمت دِلوا دینا جس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ یاد رکھئے! کہ یہ باتیں ہرگز جائز نہیں ہیں، اور ''صلہ رحمی'' کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ رشتہ داروں کی خاطر یا ان کی مروّت میں گناہوں کا ارتکاب کیا جائے، لہٰذا جب کوئی رشتہ دار کسی ناجائز کام کو کہے تو اس سے نرمی کے ساتھ معذرت کر دینا ضروری ہے۔

۲ دُوسری بات یہ ہے کہ ''صلہ رحمی'' اس وقت موجبِ ثواب ہوتی ہے جب اس کا مقصد اپنے رشتہ دار کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خوش کرنا ہو، اگر محض بدلہ، دِکھاوا، یا رسموں کی پابندی میں کوئی کام کیا جائے تو اس پر ''صلہ رحمی'' کی فضیلت حاصل ہونی مشکل ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت رسموں کے بندھن میں جکڑا ہوا ہے، رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں زیادہ تر یہ بات پیشِ نظر رہتی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی، چنانچہ محض رسم پوری کرنے کی خاطر بہت سے کام کئے جاتے ہیں، اندر سے ان کاموں کو دِل نہیں چاہتا۔ اس طرح کے خیالات سے پرہیز کرنا چاہئے، اور کسی رشتہ دار کے ساتھ جو کوئی نیکی کا معاملہ کیا جائے، اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کی جائے اور وہ کام خوش دِلی سے کیا جائے، محض رسم کی خاطر شرما شرمی کوئی کام کرنے سے

کلی پرہیز کیا جائے۔

۳ چونکہ "صلہ رحمی" خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہونی چاہئے، اس لئے دُوسری طرف سے اس کے بدلے کا انتظار بھی نہ کرنا چاہئے، اور اگر دُوسری طرف سے اس کا اچھا جواب نہ ملے، تب بھی "صلہ رحمی" کو چھوڑنا نہیں چاہئے، اور درحقیقت یہی بات اس کی علامت ہے کہ "صلہ رحمی" اللہ کے لئے ہو رہی ہے یا محض دِکھاوے اور نام ونمود کے لئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ:- وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو دُوسروں کا بدلہ چکائے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دُوسرے اس کی رشتہ داری کی حق تلفی کریں تب بھی یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

اور حضرت اُمِّ کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الصَّدَقَةُ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ۔

(حاکم وطبرانی، الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۱۲۰)

ترجمہ:- سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو بغض رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے۔

جب رشتہ داروں کی طرف سے اچھا معاملہ نہ ہو رہا ہو، اس وقت اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا درحقیقت ''صلہ رحمی'' کا کمال ہے، اور اس پر بے حد اُجر وثواب کے وعدے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں، مگر وہ میری حق تلفی کرتے ہیں، میں ان سے حسنِ سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بُرا سلوک کرتے ہیں، میں ان سے بُردباری کا معاملہ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جھگڑتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

> اگر واقعی ایسا ہے، تو گویا تم انہیں گرم راکھ کھلا رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک مددگار رہے گا۔ (صحیح مسلم)

یعنی وہ اپنے عمل سے دوزخ خرید رہے ہیں اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف تمہاری مدد ہوگی۔

(۲۹) پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک

اللہ تعالیٰ نے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

> مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ۔ (بخاری ومسلم عن ابن عمر وعائشہ رضی اللہ عنہم)

ترجمہ:- جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اتنی کثرت سے نصیحت کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید وہ اس کو وراثت میں بھی حقدار قرار دے دیں گے۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهٖ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:- جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:-

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ۔

(بخاری و مسلم)

ترجمہ:- جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

پڑوسی کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ اپنے ہر کام میں اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ اپنی ذات سے اس کو تکلیف نہ پہنچے، اس کے علاوہ ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کرنا، کبھی کبھی اس کو کچھ ہدیہ بھیج دینا، اس کے دُکھ سُکھ میں

شریک رہنا، یہ سب باتیں موجبِ اَجروثواب ہیں۔ اگر وہ ضرورت مند ہوتو اس کی مالی مدد کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ پڑوسی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ معاشی اور سماجی اعتبار سے اپنا ہم پلّہ ہو، اگر کچھ غریب لوگ اپنے پڑوس میں آباد ہیں تو وہ بھی پڑوسی ہیں، اوران کے حقوق اس لحاظ سے زیادہ ہیں کہ ان کی خبرگیری دُوسروں سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر کوئی پڑوسی بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا صرف موجبِ ثواب ہی نہیں، فرض ہے۔ اسی طرح پڑوسی اگر غیر مسلم بھی ہوتب بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے یہاں ایک مرتبہ ایک بکری ذبح ہوئی، آپ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا، آپ بار بار گھر والوں کو تاکید کرتے رہے کہ اس یہودی پڑوسی کو بھی گوشت کا ہدیہ بھیجو۔ (ابوداؤد و ترمذی)

(۳۰) خندہ پیشانی اور خوش اَخلاقی

لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش اَخلاقی سے پیش آنا بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:-

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ۔

ترجمہ:- نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھو، خواہ وہ نیک کام یہ ہو کہ تم اپنے بھائی سے کِھلے ہوئے چہرے (خندہ پیشانی) سے ملو۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُوسروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کو ایک نیکی قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس نیکی کو کوئی معمولی یا حقیر نیکی نہ سمجھو، مطلب یہ ہے کہ اس پر بھی تمہارے نامۂ اعمال میں بڑے ثواب کا اضافہ ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوالدّرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ اللہَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ:- قیامت کے دن مؤمن بندے کی میزان میں کوئی چیز خوش خُلقی سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور بے ہودہ گو شخص کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ انسانوں کو جنت میں داخل کرنے والی چیز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تقویٰ اور خوش اَخلاقی۔“ (جامع ترمذی)

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:-

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا۔ (ترمذی)

ترجمہ:- تمام مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والے وہ لوگ

ہیں جو ان میں اَخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:- مؤمن اپنے حسنِ اَخلاق سے اس شخص کے درجے تک پہنچ جاتا ہے جو روزہ دار اور نماز میں کھڑا رہنے والا ہو (یعنی نفلی روزے بہت رکھتا ہو اور نفلی نمازیں بہت پڑھتا ہو)۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا۔ (ترمذی)

ترجمہ:- تم میں سے جو لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جو قیامت کے دن مجلس میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے، وہ لوگ ہیں جو تم میں اَخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

ان تمام احادیث میں جس خوش اَخلاقی کی عظیم فضیلتیں بیان کی گئی ہیں وہ اگرچہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہیں، لیکن دُوسروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے

پیش آنا اس کا ایک اہم حصہ ہے، اور اس پر بھی یہ فضائل صادق آتے ہیں۔

(۳۱) ہم سفر سے حسنِ سلوک

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مکان کے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں، اسی طرح ہم سفر کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں۔ ''ہم سفر'' سے مراد وہ شخص ہے جس سے خواہ پہلے جان پہچان نہ ہو، لیکن کسی سفر کے دوران وہ ساتھ ہوگیا ہو، مثلاً بسوں، ریلوں اور ہوائی جہاز میں اپنے قریب بیٹھنے والا۔ اس کو قرآنِ کریم کی اصطلاح میں ''صاحب بالجنب'' کہا گیا ہے، یعنی وہ ہم سفر جو تھوڑے وقت کے لئے پڑوسی بنا ہو۔ اس کا حق یہ ہے کہ اپنے کسی عمل سے اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، بعض لوگ سفر میں اپنے آرام کی خاطر اپنے ہم سفروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز نہیں کرتے، حالانکہ یہ سوچنا چاہئے کہ سفر تو ایک مختصر وقت کے لئے ہوتا ہے، جو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتا ہے، لیکن اگر اپنے کسی عمل سے اپنے ہم سفر کو ناحق کوئی تکلیف پہنچی تو اس کا گناہ اور شدید گناہ ہمیشہ کے لئے اپنے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، اور یہ گناہ چونکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ ہم سفر اس کو معاف نہ کرلے، اور عموماً جن لوگوں سے سفر میں ملاقات ہوتی ہے، سفر کے بعد نہ اُن سے کبھی ملاقات ہوتی ہے، نہ اُن کا پتہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے معافی کرالی جائے، اس لئے سفر کے اِختتام کے بعد اس گناہ کی معافی کا عام حالات میں کوئی راستہ نہیں رہتا، اس لحاظ سے ہم سفر کو تکلیف پہنچانے کا گناہ

انتہائی سنگین گناہ ہے جس کی معافی بہت مشکل ہے۔

دُوسری طرف اگر ہم سفر کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے، حتی الامکان ایثار سے کام لیا جائے اور اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے، یا کم از کم اس سے خندہ پیشانی کا معاملہ کیا جائے تو یہ بہت ثواب کا کام ہے اور معمولی توجہ سے ثواب کا ایک بڑا خزانہ اپنے لئے جمع کیا جاسکتا ہے۔

(۳۲) اللہ کے لئے ملاقات

کسی مسلمان سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کے لئے جانا بھی بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ اور اللہ کے لئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ملاقات کا مقصد کوئی دُنیوی مفاد حاصل کرنا نہ ہو، بلکہ یا تو اس لئے اس سے ملاقات کی جائے کہ وہ ایک نیک آدمی ہے، یا کوئی عالم ہے اور اس کی صحبت سے اپنی اصلاح مقصود ہے، یا اس لئے ملاقات کی جائے کہ اس کا دِل خوش ہو اور مسلمان کا دِل خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی یہ ملاقات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سمجھی جائے گی اور اِن شاء اللہ اس پر اَجر ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ عَادَ مَرِيْضًا اَوْ زَارَ اَخًا لَهٗ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ بِاَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔ (ترمذی، وقال: حسن)

ترجمہ:- جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے یا اپنے کسی بھائی کے پاس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کو جائے، اس کو ایک (غیبی) منادی پکار کر کہتا ہے کہ: ''تو بھی مبارک، تیرا چلنا بھی مبارک اور تو نے جنت کی ایک منزل میں ٹھکانہ بنالیا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے بہ نیتِ ثواب ملنے سے بھی نامۂ اعمال میں نیکیوں کا بہت اضافہ ہوتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حکم ان ہی لوگوں سے ملاقات کرنے کا ہے جن کی ملاقات سے اپنا کوئی دِینی نقصان نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس کی ملاقات کے نتیجے میں کسی گناہ میں مبتلا ہونا پڑے گا یا اس کی بُری صحبت سے اپنے اُوپر بُرا اثر پڑے گا یا غیبت وغیرہ کرنی یا سُننی پڑے گی، یا بے فائدہ باتوں سے بہت سا وقت ضائع ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں ایسی ملاقات اور صحبت سے بچنا ہی بہتر ہے۔

(۳۴) مہمان کا اِکرام

مہمان کی عزّت اور مناسب خاطر داری بھی ایمان کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ ہے، جس کی اسلام میں بہت تاکید کی گئی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اِکرام کرے۔

مہمان کے اِکرام کا مطلب یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کیا جائے، اگر کھانے کا وقت ہو تو بقدرِ اِستطاعت کھانے سے اس کی تواضع کی جائے، بلکہ ایک حدیث کی رُو سے یہ بھی مہمان کا حق ہے کہ اگر اِستطاعت ہو تو پہلے دِن اس کے لئے کوئی خصوصی کھانا تیار کیا جائے، جس کو حدیث میں "جائزہ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری، عن ابی شریح رضی اللہ عنہ)

البتہ اِن تمام باتوں میں محض رسمیات، نام و نمود اور تکلّفات سے پرہیز کرنا چاہئے، مہمان کے اِکرام کا سب سے اوّل مطلب یہ ہے کہ اس کو آرام پہنچانے کی فکر کی جائے، لہٰذا اگر اُسے کھانے سے تکلیف ہو تو محض رسم کی خاطر کھانے پر اِصرار کرنا اِکرام کے خلاف ہے، ایسی صورت میں اس کا اِکرام یہی ہے کہ اس کے آرام اور منشاء کو مدِّ نظر رکھا جائے۔

دُوسری طرف مہمان کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ میزبان پر ناواجبی بوجھ نہ ڈالے اور اتنی دیر اس کے پاس نہ ٹھہرے جس سے اس پر بار ہونے لگے، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔

(۳۴) راستے سے تکلیف دہ چیز کو دُور کر دینا

اگر راستے میں کوئی گندگی پڑی ہو، یا کوئی ایسی چیز ہو جس سے گزرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، مثلاً کوئی کانٹا، کوئی رُکاوٹ، کوئی ایسا

چھلکا جس سے پھسل کر گرنے کا خطرہ ہو، اس کو راستے سے ہٹا دینا بھی بڑی نیکی کا کام ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ۔
(بخاری ومسلم)

ترجمہ:- ایمان کے ستر سے کچھ اُوپر شعبے ہیں، اِن میں سے افضل ترین لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اقرار ہے، اور اَدنیٰ ترین راستے سے تکلیف (یا گندگی) کو دُور کر دینا ہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی روایت کیا ہے کہ:-

وَتُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- اور راستے سے گندگی (یا تکلیف کی چیز کو) دُور کر دو تو یہ بھی صدقہ ہے (یعنی اس پر صدقے کی طرح ثواب ملتا ہے)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّهٗ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِىْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلَاثِمِائَةِ مُفْصَلٍ، فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ

وَهَلَّلَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِمِائَةِ، فَإِنَّهُ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:- بنی آدم میں ہر انسان کے (جسم میں) تین سو ساٹھ جوڑ پیدا کئے گئے ہیں، پس جو شخص اللہ کی تکبیر کہے، اللہ کی حمد کرے اور لا إلٰہ إلاّ اللہ اور سبحان اللہ کہے، اور اللہ سے استغفار کرے اور لوگوں کے راستے سے کوئی پتھر ہٹادے یا کوئی کانٹا یا کوئی ہڈی راستے سے ہٹادے یا کسی نیکی کا حکم دے یا کسی بُرائی سے روکے (اور اس قسم کی نیکیاں) تین سو ساٹھ کے عدد تک پہنچ جائیں، تو وہ اس دن اپنے آپ کو عذابِ جہنم سے دُور کرلے گا۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک کانٹے دار شاخ زمین پر پڑی ہوئی دیکھی اور لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی خاطر اسے راستے سے ہٹادیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرما کر اس کی مغفرت فرمادی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے ایسے شخص کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

ان احادیث سے واضح ہے کہ گزرگاہوں کو صاف ستھرا رکھنے اور لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی اسلام میں کتنی اہمیت ہے کہ ایک کانٹے دار شاخ کو راستے سے ہٹا دینے پر، جو ایک چھوٹا سا عمل نظر آتا ہے، اتنے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور جب تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی ترغیب دی گئی ہے تو راستے کو گندگی سے آلودہ کرنا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو، کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ گزرنے والوں کے لئے تکلیف کا سامان پیدا کرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اپنی سواری (کار، موٹر سائیکل وغیرہ) کو ایسی جگہ کھڑا کر دیا جائے جس سے دُوسری سواریوں کا راستہ بند ہو جائے یا ان کو چلنے میں دُشواری کا سامنا ہو، یا اس طرح بے قاعدہ گاڑی چلائی جائے جس سے دُوسروں کو کسی بھی اعتبار سے تکلیف ہو، یہ ساری باتیں گناہ ہیں، اور ان سے پرہیز کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا دُوسرے کسی گناہِ کبیرہ سے۔

اسی طرح ٹریفک کے جو قواعد مقرّر کئے گئے ہیں ان کا مقصد گزرگاہوں میں نظم و ضبط پیدا کرنا ہے، اور ان کی پابندی صرف قانون کا تقاضا ہی نہیں ہے، ایک دِینی فریضہ بھی ہے، اگر ان کی پابندی اس نیت سے کی جائے کہ اس سے معاشرے میں نظم و ضبط پیدا ہوگا، لوگوں کو راحت ملے گی اور ان کو تکلیف سے بچانے کی ممکنہ کوشش ہو سکے گی تو ان سب اعمال پر اِن شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا، اور اگر ان قواعد کی خلاف ورزی کی جائے تو اس سے دُہرا گناہ ہوگا، ایک لوگوں کو تکلیف پہنچانے کا، دُوسرے نظم و ضبط میں خلل ڈالنے اور ذمہ داروں کے اَحکام کی خلاف ورزی کرنے کا۔

افسوس ہے کہ آج کل ان باتوں کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اچھے خاصے بظاہر دین دار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس قسم کے گناہوں میں بے محابا مبتلا رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(۳۵) جھگڑے سے پرہیز

لڑائی جھگڑا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، قرآنِ کریم میں جھگڑالو آدمی کی بہت مذمت کی گئی ہے، اس کے برخلاف حلم و بُردباری اور جھگڑے سے پرہیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور ایسے شخص کو اَجر و ثواب سے نوازتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ عبدالقیس کے ایک شخص سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ فِيْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ، اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ۔

(صحیح مسلم)

ترجمہ:- تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں: بُردباری اور تمکنت۔

چنانچہ اگر کوئی شخص حق پر ہونے کے باوجود محض رفعِ شر اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کی خاطر اپنا حق چھوڑ دے یا صلح کرلے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت عظیم بشارت دی ہے۔

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اَنَا زَعِیْمٌ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَاِنْ کَانَ مُحِقًّا۔ (سنن ابی داؤد)

ترجمہ:- میں اس شخص کو جنت کے کناروں پر گھر دِلوانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے، خواہ وہ حق پر ہو۔

جس شخص کو جنت میں پہنچانے، بلکہ جنت میں گھر دِلوانے کی ضمانت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو، اس کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ دولت تمام مسلمانوں کو عطا فرمائیں، آمین۔

۳۶ دِین کی بات سیکھنا

ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے کہ وہ اپنے دِین کی اتنی معلومات حاصل کرے جن کے ذریعے وہ اپنی روزمرّہ کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار سکے، ہر شخص کے لئے پورا باضابطہ عالمِ دِین بننا ضروری نہیں لیکن بقدرِ ضرورت دِینی معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ مثلاً نماز، روزے اور حج، زکوٰۃ کے ضروری مسائل، جس قسم کے معاملات اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں ان کے بارے میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کے اَحکام وغیرہ۔

پھر جہاں اللہ تعالیٰ نے دِین کی ضروری باتیں سیکھنے کو ضروری قرار دیا ہے وہاں اس عمل پر بڑے اَجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں، یعنی دِین سیکھنے کا

ہر عمل ایک مستقل نیکی ہے، جس کی بہت فضیلتیں قرآن و حدیث میں آئی ہیں، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَبْتَغِيْ فِيْهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا صَنَعَ۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ:- جو شخص اس غرض کے لئے کسی راستے پر چلے کہ علم کی کوئی بات سیکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستے کو آسان فرمادیں گے، اور علم طلب کرنے والے کے لئے اس کے عمل پر اظہارِ خوشنودی کے لئے فرشتے اپنے پَر بچھاتے ہیں۔

اس فضیلت میں وہ طلبۂ علم تو داخل ہی ہیں جو باقاعدہ علمِ دِین کی تحصیل کے لئے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں، لیکن جو لوگ پورے عالمِ دِین بننے کی نیت سے نہیں، بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق دِین کی کوئی بات سیکھنے کے لئے کہیں جاتے ہیں یا ضرورت کے وقت کسی عالم یا مفتی سے کوئی مسئلہ پوچھنے جاتے ہیں، یا کسی وعظ و نصیحت میں اس نیت سے شریک ہوتے ہیں کہ دِین کی باتیں سیکھیں گے اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ ایسے لوگ بھی اس فضیلت میں حصہ دار ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ:- جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے، جب تک کہ واپس نہ آ جائے۔

غرض دِین کی کوئی بات سیکھنے کے لئے جو کوئی اقدام کیا جائے، اِن شاء اللہ اس پر طلبِ علم کا اَجر وثواب حاصل ہوگا، یہاں تک کہ اس غرض سے مستند دِینی اور اصلاحی کتابوں کے مطالعے پر بھی اسی اجر وثواب کی پوری اُمید ہے بشرطیکہ کتابیں مستند ہوں، جس کے لئے مناسب یہ ہے کہ کسی عالم سے پوچھ کر کتابوں کا انتخاب کیا جائے، لہٰذا جہاں کہیں دِین کی کوئی بات سیکھنے کا موقع ملے، اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اس سے اپنی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے، زندگی سنوارنے میں بھی مدد ملتی ہے اور نیکیوں میں مستقل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، کیونکہ علم ایسا ناپیدا کنار سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، انسان خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے لیکن مزید علم کی طلب اس کو بھی رہتی ہے، اور رہنی چاہئے، اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص علم کا حریص ہو اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، یعنی وہ ہر مرحلے پر مزید علم کی تلاش میں رہتا ہے، اور نیکیوں کے حصول کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

۳۷ دِین کی بات سکھانا

جس طرح دِین کی بات سیکھنا بڑے ثواب کا کام ہے، اسی طرح کسی

کو دِین کی بات سکھانا اس سے بھی زیادہ فضیلت کا عمل ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد اپنا علم جتانا اور بڑائی ظاہر کرنا نہ ہو، بلکہ دُوسرے کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو، حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا، وَحَتّٰى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِي النَّاسِ الْخَيْرَ۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، اور آسمان و زمین کی مخلوقات، یہاں تک کہ اپنے بِلوں میں رہنے والی چیونٹیاں، اور یہاں تک کہ مچھلیاں ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی بات سکھاتے ہیں۔

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ مِنْ حُمْرِ النِّعَمِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ:- اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے۔

''سرخ اُونٹ'' عرب میں بہت بڑی دولت شمار ہوتے تھے، لہٰذا

مطلب یہ ہے کہ تمہاری تعلیم وتربیت سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت ہوجائے تو یہ تمہارے لئے دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بہتر ہے۔

لہٰذا جب کسی شخص کو دِین کی کوئی بات بتانے کا موقع ہوتو اس کو غنیمت سمجھ کر یہ فضیلت حاصل کرنی چاہئے، خاص طور پر اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کو دِین کی باتیں سکھاتے رہنا چاہئے، کہ یہ انسان کے حق میں بہت بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔

(۳۸) بڑوں کی عزّت

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے اصل فضیلت تقویٰ اور علم کو حاصل ہے، لیکن ساتھ ہی چھوٹی عمر والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے بڑی عمر والوں کی عزّت کریں، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:-

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ شَرَفَ کَبِیْرِنَا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ:- وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی عزّت نہ پہچانے۔

خاص طور سے جس شخص کے بال سفید ہوگئے ہوں، اس کی عزّت و احترام کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:-

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللہِ تَعَالٰی اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:- یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ ہے کہ کسی سفید بال والے مسلمان کا احترام کیا جائے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَا اَکْرَمَ شَابٌّ شَیْخًا لِسِنِّہٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰہُ لَہٗ مَنْ یُّکْرِمُہٗ عِنْدَ سِنِّہٖ۔ (ترمذی، وقال: غریب)

ترجمہ:- جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے عزّت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے لوگ مقرّر فرما دیتے ہیں جو اس کی بڑی عمر میں اس کی عزّت کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اگر کسی وفد میں سے کوئی چھوٹی عمر کا شخص بڑوں سے پہلے بولنا شروع کر دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تاکید فرماتے کہ بڑے کو پہلے بولنے دو۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بڑوں کی عزّت و توقیر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس درجہ تاکید فرمائی ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملتا ہے۔

(۳۹) شعائرِ اسلام کی تعظیم

وہ تمام چیزیں جو اسلام اور مسلمانوں کی علامت سمجھی جاتی ہیں ان کو ''شعائرِ اسلام'' کہا جاتا ہے، مثلاً قرآنِ کریم، بیت اللہ شریف، مسجدیں، مقدس مقامات، نماز، اذان وغیرہ۔ ان شعائر کا احترام بھی بہت بڑی نیکی ہے،

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ (الحج)

ترجمہ:- اور جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے، تو یہ عمل دِلوں کے تقویٰ کے سبب سے ہے۔

(۴۰) بچوں پر شفقت

بچوں پر شفقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نماز پڑھاتے میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں اس بچے کی ماں اپنے بچے کا رونا سُن کر پریشانی میں نہ پڑ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بچوں کو گود میں لیتے، انہیں پیار فرماتے، اور ان کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں کرتے تھے، یہ ساری باتیں سنت ہیں اور اِتباعِ سنت کی نیت سے یہ سارے کام کرنے میں بہت اجر و ثواب ہے۔

(۴۱) اَذان دینا

اَذان، شعائرِ اسلام میں سے ہے، اور اَحادیث میں اَذان دینے کی بہت فضیلتیں وارِد ہوئی ہیں، بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اگر لوگوں کو اَذان کے اجر اور فضیلت کا ٹھیک ٹھیک حال

معلوم ہوجائے تو ہر شخص اذان دینے کی کوشش کرے اور خواہش مند افراد کی زیادتی کی وجہ سے قرعہ اندازی کرنی پڑجائے۔

آج کل مسجدوں میں تو عموماً مؤذِن مقرر ہوتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص مسجد کے علاوہ کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں تک اذان کی آواز نہیں پہنچی تو وہاں بھی نماز سے پہلے اذان دینا مسنون ہے، اور ایسے مواقع پر اذان کی یہ فضیلت ضرور حاصل کرنی چاہئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا کہ: "میں دیکھتا ہوں کہ تم کو بکریوں اور صحراؤں سے بہت لگاؤ ہے، اب جب کبھی تم اپنی بکریوں کے درمیان یا صحرا میں ہو، اور نماز کے لئے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو، اس لئے کہ مؤذِن کی آواز جہاں تک بھی پہنچتی ہے وہاں کے جنات، انسان اور ہر چیز جو اس آواز کو سنتی ہے، وہ قیامت کے دن اذان دینے والے کے حق میں گواہی دے گی۔" یہ کہہ کر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: "میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔" (صحیح بخاری)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اذان دینے کی کتنی بڑی فضیلت ہے اور موقع ملنے پر اس فضیلت کے حصول میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

(۴۳) اذان کا جواب دینا

اذان کا ادب یہ ہے کہ جب اذان ہو رہی ہو تو حتی الامکان خاموش

ہو جانا چاہئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ اَذان کے ہر لفظ کا جواب دینا چاہئے، یعنی جو جو الفاظ موَذِّن کہتا جائے وہ سننے والے کو بھی کہنے چاہئیں، البتہ جب موَذِّن "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو ان کلمات کے جواب میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کہنا چاہئے، اور جب فجر کی نماز میں موَذِّن "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہے تو اس کے جواب میں "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ" کہنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

> جب تم اَذان سنو تو موَذِّن کی طرح تم بھی وہی الفاظ کہو، پھر مجھ پر دُرود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے "مقامِ وسیلہ" کی دُعا کرو کیونکہ وہ جنت کا ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک ہی کو ملے گا، اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا۔ چنانچہ جو شخص میرے لئے "وسیلہ" کی دُعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

اسی فضیلت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَذان کے بعد جو دُعا تلقین فرمائی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "وسیلہ" کی دُعا

موجود ہے، وہ دُعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَذان کے بعد یہ دُعا پڑھنے والے کو یہ بشارت دی ہے کہ قیامت کے دن اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (بخاری)

اس کے علاوہ اَذان کے بعد یہ الفاظ کہنا بھی حدیث سے ثابت ہے:۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا۔ (صحیح مسلم)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اَذان سن کر یہ الفاظ کہے تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

اَذان کا جواب دینے اور اَذان کے بعد یہ دُعائیں پڑھنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے، صرف دھیان دینے اور عادت ڈالنے کی بات ہے، اگر ان اَذکار کی عادت ڈال لی جائے تو بغیر کسی وقت اور محنت کے انسان کو بہت عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے اَذان کے وقت ان آداب کا پورا خیال رکھنا چاہئے، ہاں! کوئی عذر ہو تو بات اور ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی جگہ ایک سے زیادہ مسجدوں کی اَذانیں یکے بعد دیگرے سنائی دیتی ہوں تو صرف پہلی اَذان جو صاف سنائی دے اس کا جواب دینے سے یہ سنت ادا ہوجاتی ہے، بعد میں ہونے والی اَذانوں کا جواب اگر نہ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ (شامی)

(۴۳) تلاوتِ قرآنِ کریم

قرآنِ کریم پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اِنعام ہے، اس کا اصل حق تو یہ ہے کہ اس پر سمجھ کر عمل کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نوازنے کا ایک ذریعہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تلاوت کو بھی قرار دیا ہے، یعنی قرآنِ کریم کے الفاظ کی تلاوت بھی بے انتہا اجر وثواب کی حامل ہے۔ بعض لوگ نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو سمجھے بغیر پڑھنے سے کیا حاصل ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اِنسانوں کی کتاب پر قیاس کرتے ہیں جن کو بے سمجھے پڑھنا ایک فضول کام سمجھا جاتا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اس کی تعلیمات تو دُنیا وآخرت کی فلاح کی ضامن ہیں ہی، لیکن اس کے ایک ایک لفظ میں نور ہے اور اس کی محض تلاوت بھی موجبِ ثواب اور باعثِ خیر وبرکت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهٗ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ

بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا، لَا اَقُوْلُ "الٓمّٓ" حَرْفٌ، وَلٰكِنْ: اَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔

ترجمہ:- جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے، اس کو ایک نیکی ملے گی، اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ "الٓمّٓ" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص صرف "الٓمّٓ" تلاوت کرے تو صرف اتنی تلاوت سے بھی اس کے نامۂ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ثواب بے سمجھے پڑھنے پر بھی ملتا ہے، کیونکہ "الٓمّٓ" ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی کوئی نہیں جانتا، نہ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کا کوئی امکان ہے (کیونکہ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے، جو متشابہات میں داخل ہیں، اور ان کے معنی کوئی نہیں جانتا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حروف کی مثال دے کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ تلاوتِ قرآن کا یہ ثواب معنی سمجھنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ بے سمجھے تلاوت پر بھی یہ ثواب ملتا ہے۔

غرض جب صرف "الٓمّٓ" پڑھنے میں تیس نیکیاں حاصل ہوئیں تو قرآنِ کریم کا ایک رُکوع یا ایک سورت پڑھنے سے کتنا اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

اسی لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ ہر روز صبح کو دُوسرے کاموں میں مشغول ہونے سے پہلے قرآنِ کریم کی کچھ نہ کچھ تلاوت کا معمول بنائے، اگر زیادہ نہ پڑھ سکے تو پاؤ پارہ، اور اگر اِتنا بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم ایک رُکوع ہی پڑھ

لیا کرے تو ہر روز اس کے نامۂ اعمال میں سینکڑوں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ قرآنِ کریم کی کچھ سورتیں زبانی یاد کرلے تاکہ جب موقع ملے، قرآنِ کریم کھولے بغیر بھی وہ زبانی تلاوت کرسکے، اور اس طرح چلتے پھرتے بھی اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کرسکے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص کے جوف میں (یعنی حافظے میں) قرآن کا کچھ حصہ نہ ہو، وہ ایک ویران گھر کی طرح ہے۔" (ترمذی)

(۴۴) سورۂ فاتحہ اور سورۂ اِخلاص

قرآنِ کریم کی تلاوت جس حصے سے بھی ہو، ثواب ہی ثواب ہے، لیکن بعض سورتوں کے خاص خاص فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، مختصر سورتوں میں سب سے زیادہ فضائل سورۂ فاتحہ اور سورۂ اِخلاص (قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ) کے بیان کئے گئے ہیں۔ اور بہت سی حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضیلت میں سورۂ اِخلاص کو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ: "جمع ہوجاؤ! میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔" کچھ حضراتِ صحابہؓ جمع ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور "قُلْ هُوَاللّٰهُ

اَحَدٌ" پڑھ کر اندر تشریف لے گئے، پھر تھوڑی دیر میں باہر تشریف لاکر فرمایا:-

میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پڑھوں گا، یاد رکھو! یہ سورت (یعنی سورۂ اخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم وترمذی)

اور حضرت ابو الدّرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایک رات میں ایک تہائی قرآن کی تلاوت نہیں کرسکتا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ: ایک شخص ایک رات میں تہائی قرآن کی تلاوت کیسے کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم)

اسی لئے بزرگوں کا معمول ہے کہ مُردوں کو ایصالِ ثواب کے لئے تین مرتبہ سورۂ اِخلاص پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب مُردے کو پہنچا دیتے ہیں۔

۴۵ اچھی طرح وضو کرنا

وضو کو اطمینان کے ساتھ سنت کے مطابق آداب کی رعایت کے ساتھ انجام دینا بھی بہت فضیلت کا عمل ہے، جس پر اَحادیث میں بہت اجر و ثواب کے وعدے فرمائے گئے ہیں، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ

حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِہٖ۔ (صحیح مسلم ونسائی)

ترجمہ:- جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے تو اس کے جسم سے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے تک سے خارج ہو جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کن باتوں سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے اور درجات کو بلند فرماتے ہیں؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ضرور بتایئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نفس کے ناگوار ہونے کے باوجود وضو مکمل طریقے سے کرنا، اور مسجد کی طرف کثرت سے قدم بڑھانا، اور ایک نماز کے بعد دُوسری نماز کا انتظار کرنا، یہ اعمال جہاد کی فضیلت رکھتے ہیں۔''

(مسلم وترمذی)

یعنی جب سرد موسم کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے وضو کرنا دُشوار معلوم ہو رہا ہو، اس وقت بھی وضو کو مکمل طریقے سے ادا کرنے کا اتنا ثواب ہے جتنا جہاد میں کسی سرحد پر پہرہ دینے کا ثواب ہوتا ہے، اور وضو کو مکمل طریقے سے انجام دینے کا مطلب یہ ہے کہ تمام سنتوں اور آداب کے ساتھ وضو کیا جائے، لہٰذا وضو کرنے میں ان تمام آداب کا اہتمام کرنا چاہئے اور وضو کا صحیح طریقہ اچھی طرح سیکھ کر اس پر عمل کرنا چاہئے کہ اس سے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔

(۴۶) مسواک کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کرنے کی بہت فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلسِّوَاكُ مُطْهِرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔ (سنن نسائی)

ترجمہ:- مسواک منہ کی پاکی کا ذریعہ ہے اور پروردگار کی خوشنودی کا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

فَضْلُ الصَّلَاةِ بِالسِّوَاكِ عَلَى الصَّلَاةِ بِغَيْرِ سِوَاكٍ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا۔ (الترغیب ج:۱ ص:۱۳۱، بحوالہ حاکم واحمد)

ترجمہ:- مسواک کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز مسواک کے بغیر پڑھی جانے والی نماز پر ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مسواک کی فضیلت میں بے شمار احادیث آئی ہیں، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت محبوب سنتوں میں سے ہے، جس میں دُنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے اور عمل بھی ایسا ہے جس میں کوئی محنت مشقت یا خرچ نہیں ہے، اس لئے اس کے ذریعے انسان بہت آسانی سے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرسکتا ہے۔

(۴۷) وضو کے بعد کا ذکر

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر یہ کلمات کہے:-

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (صحیح مسلم)

تو اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ وہ ان میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔

ابو داوٗد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ کلمات کہتے وقت آسمان کی طرف نگاہ اُٹھالے، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ ان کلمات کے ساتھ: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" کا بھی اضافہ کیا جائے۔

(۴۸) تحیۃ الوضو

وضو خواہ کسی مقصد کے لئے کیا جائے، اس کے فوراً بعد دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی نیت سے پڑھنا بہت فضیلت کا حامل ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ اس کا چہرہ بھی اور دِل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لئے جنت لازم ہو جاتی ہے۔ (مسلم، ابوداوٗد، نسائی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ (ثواب کی) اُمید ہو، کیونکہ میں (معراج کے موقع پر) جنت میں اپنے سامنے تمہارے قدموں کی آہٹ سنی ہے" حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "مجھے اپنے جس عمل سے سب سے زیادہ (اللہ کی رحمت کی) اُمید ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے دن یا رات کو جس وقت میں بھی کبھی وضو کیا تو اس وضو سے جتنی توفیق ہوئی نماز ضرور پڑھی۔" (بخاری و مسلم)

وضو کے بعد دو رکعت پڑھنے میں دو تین منٹ خرچ ہوتے ہیں، لیکن اس دو تین منٹ کے عمل کا ثواب کتنا عظیم ہے، اس لئے اس کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔ اگر وضو کے فوراً بعد کسی فرض نماز کا وقت ہو تو بہتر تو یہی ہے کہ تحیۃ الوضو کی نیت سے دو رکعتیں پہلے پڑھ لی جائیں، لیکن اگر اس کا وقت نہ ہو تو فرض نماز یا سنتوں ہی میں تحیۃ الوضو کی نیت کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ ان شاء اللہ اس نیت سے بھی تحیۃ الوضو کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

(۴۹) تحیۃ المسجد

اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ جب کبھی کوئی شخص کسی مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعتیں پڑھ لے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔" (ترمذی)

اس میں بھی اصل تو یہی ہے کہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی نیت سے مستقل طور پر پڑھی جائیں، لیکن اگر فرض نماز یا سنت کا وقت ہے اور اسی فرض یا سنت میں تحیۃ المسجد کی نیت کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ اس نیت کی بَرکت سے انسان تحیۃ المسجد کے ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔

تحیۃ المسجد کا اصل طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں پہنچ کر بیٹھنے سے پہلے ہی یہ رکعتیں پڑھ لی جائیں، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے بیٹھ گیا ہو تب بھی صحیح یہ ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھی جاسکتی ہے۔

اور اگر وقت اتنا تنگ ہو کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع نہ ہو تو کم از کم یہ کلمہ پڑھ لے:-

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

بلکہ یہ کلمہ جتنی دیر اِنسان مسجد میں بیٹھا رہے مسلسل پڑھتے رہنا چاہئے، حدیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اور اس کو جنت کے پھل کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵۰) اِعتکاف کی نیت

جب کبھی مسجد میں جانا ہو، خواہ نماز کے لئے یا کسی اور کام سے، اگر یہ نیت کرلی جائے کہ میں جتنی دیر مسجد میں رہوں گا، اِعتکاف سے رہوں گا، تو اِن شاء اللہ اس نیت کی برکت سے نفلی اِعتکاف کا ثواب بھی حاصل ہوجائے گا۔

(۵۱) پہلی صف میں نماز پڑھنا

اِنفرادی نماز کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی فضیلت ستائیس گنا زیادہ ہے، لیکن جماعت کی نماز میں بھی پہلی صف میں نماز پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے، اتنا زیادہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِي الصَّفِ الْمُقَدَّمِ لَكَانَتْ قُرْعَةٌ۔
(صحیح مسلم)

ترجمہ:- اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے تو (لوگوں کی زیادتی کی وجہ سے) قرعہ اندازی کرنی پڑتی۔

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت بھیجتے ہیں۔"
(مسند احمد)

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف کے لئے تین مرتبہ اِستغفار فرماتے تھے اور دُوسری صف کے لئے ایک مرتبہ۔ (نسائی وابن ماجہ)

لہٰذا یوں تو ہر نماز پہلی صف میں پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر ہر نماز میں اس کی پابندی نہ ہو سکے تو جب کبھی موقع ملے، پہلی صف کی فضیلت

حاصل کرنے کی فکر اہتمام کے ساتھ کرنی چاہئے۔ لیکن پہلی صف میں اس طرح زبردستی گھسنا جائز نہیں ہے جس سے دُوسروں کو تکلیف ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ تَرَكَ الصَّفَّ الْأَوَّلَ مَخَافَةَ اَنْ يُؤْذِيَ اَحَدًا، اَضْعَفَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ۔

(الترغیب ج:۱ ص:۲۸۵ بحوالہ طبرانی وفی اسنادہ ضعف)

ترجمہ:- جو شخص اس خوف سے پہلی صف کو چھوڑ دے کہ کسی دُوسرے کو تکلیف ہوگی، تو اللہ تعالیٰ اس کو پہلی صف کے ثواب سے دُگنا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

(۵۲) صف کے خلا کو پُر کرنا

جماعت کے دوران صفوں کو سیدھا رکھنے اور صفوں کے درمیان خلا کو پُر کرنے کی بہت تاکید بھی آئی ہے اور اس کی بڑی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ۔ (نسائی)

ترجمہ:- جو شخص کسی صف کو ملائے (یعنی اس کے خلا کو پُر کرے) اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قرب سے نوازتے ہیں۔

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص صف کے کسی خلا کو پُر کرے، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (ترغیب بحوالہ بزار) اور عام حالات میں امام کے دائیں جانب کھڑے ہونے میں زیادہ ثواب ہے، لیکن اگر زیادہ لوگ دائیں جانب کھڑے ہوگئے ہوں اور بائیں جانب کی جگہ خالی ہو تو اس صورت میں بائیں جانب کھڑے ہونے کی دُگنی فضیلت احادیث میں بیان فرمائی گئی ہے۔

(ملاحظہ ہو: الترغیب للمنذری ج:۱ ص:۲۸۷ بحوالہ ابنِ خزیمہ)

(۵۳) نمازِ اِشراق

نمازِ اِشراق ایک نفلی نماز ہے، جو طلوعِ آفتاب کے بعد اس وقت پڑھی جاتی ہے جب آفتاب ذرا بلند ہو جائے، اور یہ طلوعِ آفتاب کے تقریباً بارہ منٹ بعد پڑھی جاسکتی ہے، یہ صرف دو رکعتیں ہوتی ہیں، لیکن احادیث میں اس نماز کے بے حد فضائل وارِد ہوئے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص ضحیٰ (اِشراق) کی دو رکعتوں کی پابندی کرلے، اس کے (صغیرہ) گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔'' (ترمذی وابنِ ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کچھ صحابہ کو جہاد کی ایک مہم پر روانہ فرمایا، وہ بہت جلد لوٹ آئے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر آئے، ایک صاحب نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ہم

نے اس سے پہلے کوئی لشکر ایسا نہیں دیکھا جو اتنی جلدی لوٹ کر آیا ہو، اور اسے اتنا مالِ غنیمت حاصل ہوا ہو جتنا اس لشکر کو ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "کیا میں اس شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں جو ان سے بھی جلدی واپس آجائے اور ان سے بھی زیادہ مالِ غنیمت لے کر آئے؟" پھر فرمایا کہ: "جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد جائے اور نمازِ فجر ادا کرے، پھر اس کے بعد (یعنی طلوعِ آفتاب کے بعد) نمازِ اشراق ادا کرے، وہ جلدی واپس آیا اور عظیم مالِ غنیمت لے کر آیا۔" (ترغیب ج:۱ ص:۲۴۷ بحوالہ ابویعلی باسناد صحیح)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیچھے بھی گزر چکی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے جسم میں جو تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ان میں سے ہر ایک کو جہنم سے آزاد کرانے کے لئے ہر انسان کو دن میں کم از کم تین سو ساٹھ نیکیاں کرنی چاہئیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نیکیاں بھی بیان فرمائیں جن سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ: ایک مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کہنا ایک نیکی ہے، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہنا ایک نیکی ہے، "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنا ایک نیکی ہے، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہنا ایک نیکی ہے، کسی کو نیکی کا حکم دینا ایک نیکی ہے، کسی کو بُرائی سے منع کرنا ایک نیکی ہے، پھر یہ ساری فہرست بیان کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔

(صحیح مسلم)

ترجمہ:- اور ان سب نیکیوں کے بدلے دو رکعتیں بھی کافی

ہو سکتی ہیں جو کوئی شخص اِشراق کے وقت ادا کرے۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دو رکعتیں تین سو ساٹھ نیکیوں کے قائم مقام ہو جاتی ہیں، اِشراق میں افضل طریقہ یہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر اِنسان اسی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا رہے اور طلوعِ آفتاب کے بعد اِشراق پڑھ کر اُٹھے، حدیث میں اس کا ثواب حج اور عمرے کے برابر بتایا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو گھر آ کر یا کوئی دُوسرا کام کر کے بھی اِشراق کی رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔

۵۴ جمعہ کے دن غسل اور خوشبو لگانا

جمعہ کے دن غسل کرنے کی بھی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، غسل کرتے وقت یہ نیت رکھنی چاہئے کہ یہ غسل جمعہ کی وجہ سے کیا جا رہا ہے، نیز غسل کے بعد خوشبو لگانا بھی سنت ہے، اور اِتباعِ سنت کی نیت سے اس پر بھی ثواب ملتا ہے، حضرت ابو اَیوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهٗ وَلَبِسَ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ، ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَسْجِدَ فَيَرْكَعَ مَا بَدَا لَهٗ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا، ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يُصَلِّيَ، كَانَ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى۔ (ترغیب بحوالہ مسند احمد)

ترجمہ:- جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اگر اس کے

پاس خوشبو ہو تو خوشبو لگائے، اور اچھے کپڑے پہنے، پھر گھر
سے نکل کر مسجد میں آئے، وہاں جتنی چاہے رکعتیں پڑھے
اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، پھر خاموش رہے، یہاں تک
کہ نماز پوری ہو جائے تو اس کا یہ عمل اس جمعہ سے اگلے
جمعے تک (صغیرہ گناہوں کا) کفارہ ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جمعہ کے دن غسل بالوں کی جڑوں تک سے (صغیرہ) گناہوں کو کھینچ نکالتا ہے۔ (طبرانی)

نیز جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو مسجد کی طرف جانا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہلے آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں، جو لوگ سب سے پہلے مسجد جائیں ان کو اِتنا ثواب ملتا ہے جتنا ایک اُونٹ کی قربانی کا، پھر جو لوگ دُوسرے نمبر پر ہوں، ان کو گائے کی قربانی کا، پھر جو تیسرے نمبر پر ہوں ان کو مینڈھے کی قربانی کا، پھر جو چوتھے نمبر پر آئیں ان کو مرغی کے برابر صدقے کا، اور جو آخر میں آئیں ان کو انڈے کے صدقے کا، لیکن جب اِمام خطبے کے لئے نکل آئے تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

۵۵ روزے میں سحری کھانا

روزے خواہ رمضان کے ہوں یا نفلی، دونوں عظیم عبادت ہیں اور ان

میں سحری کھانا مستقل کارِ ثواب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

سحری کیا کرو، کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (بخاری)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِیْنَ۔

(ترغیب بحوالہ ابنِ حبان وطبرانی)

ترجمہ:- بے شک اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اَلسُّحُوْرُ کُلُّہٗ بَرَکَۃٌ فَلَا تَدْعُوْہُ، وَلَوْ اَنْ یَّجْرَعَ اَحَدُکُمْ جُرْعَۃً مِنْ مَّآءٍ، فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِیْنَ۔

(ایضاً بحوالہ مسند احمد واسنادہ قوی)

ترجمہ:- سحری تمام تر برکت ہے، لہٰذا اس کو نہ چھوڑو، خواہ تم میں سے کوئی ایک گھونٹ پانی ہی پی لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

اور سحری میں بھی بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں کی جائے۔

(۵۶) اِفطار جلدی کرنا

روزے میں جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو اس کے بعد اِفطار میں جلدی کرنی چاہئے، بلا عذر دیر نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''لوگوں میں اس وقت تک خیر رہے گی، جب تک وہ اِفطار میں جلدی کریں۔''
(بخاری و مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو اپنے وہ بندے بہت محبوب ہیں جو جلدی اِفطار کرتے ہیں۔'' (مسند احمد و ترمذی)

(۵۷) روزہ دار کو اِفطار کرانا

کسی روزہ دار کو اِفطار کرانا بھی بہت ثواب کا عمل ہے، حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّهُ لَا يُنْقَصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْءٌ۔ (نسائی و ترمذی)

ترجمہ:- جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ اِفطار کرائے تو اس کو روزہ دار کے جتنا اجر ملے گا، اور روزہ دار کے اَجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کا روزہ اِفطار کرائے تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے اس کی گردن کی آزادی کا ذریعہ ہوگا، اور اس کو روزہ دار کے روزے کا اجر ملے گا، جبکہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ہم میں سے ہر شخص کے پاس اتنا نہیں ہوتا جس سے وہ روزہ دار کو روزہ اِفطار کرائے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائیں گے جو کسی روزہ دار کو ایک کھجور سے، یا پانی سے، یا دُودھ کے گھونٹ سے اِفطار کرائے۔" (صحیح ابنِ خزیمہ)

۵۸ حاجی یا مجاہد کے گھر کی خبر گیری

"حج" اور "جہاد" بڑی عظیم عبادتیں ہیں، لیکن جو لوگ اپنی عدمِ استطاعت کی وجہ سے یہ عظیم عبادتیں خود انجام نہ دے سکیں، ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ان عبادتوں کے ثواب میں حصہ دار بننے کا بہترین راستہ پیدا فرمادیا ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مجاہد کو جہاد کی تیاری میں مدد دے، یا کسی حاجی کے سفرِ حج کی تیاری میں مدد کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جہاد اور حج کے ثواب میں حصہ دار بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جہاد یا حج پر گیا ہوا ہے تو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خبر گیری، ان کی ضروریات پوری کر دینا یہ بھی ایسا عمل ہے جس سے انسان جہاد یا حج کے ثواب میں حصہ دار ہو جاتا ہے۔ حضرت زید بن خالد

رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا، اَوْ جَهَّزَ حَاجًّا، اَوْ خَلَفَهُ فِي اَهْلِهِ، اَوْ فَطَّرَ صَائِمًا، كَانَ لَهُ مِثْلُ اُجُوْرِهِمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا۔ (سنن نسائی)

ترجمہ:- جو شخص کسی مجاہد کو (جہاد کے لئے) تیار کرے، یا کسی حاجی کو (حج کے لئے) تیار کرے، (یعنی اس کے اسباب فراہم کرنے میں مدد دے) یا اس کے پیچھے اس کے گھر کی دیکھ بھال کرے، یا کسی روزہ دار کو اِفطار کرائے، تو اس کو ان سب لوگوں کے جتنا ثواب ملتا ہے، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔

(۵۹) شہادت کی دُعا کرنا

اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونا انسان کی عظیم ترین سعادت ہے، اور جس طرح شہادت کا بے حساب اجر وثواب ہے، اسی طرح اس کی تمنا اور دُعا کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ نے وہی اجر وثواب رکھا ہے جو شہادت پر ملتا ہے، چنانچہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَآءِ، وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:- جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے شہید ہونے کی سچے دِل سے دُعا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے مرتبے تک پہنچا دیتے ہیں، خواہ وہ شخص اپنے بستر پر مرا ہو۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا أُعْطِيَهَا، وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ۔
(صحیح مسلم)

ترجمہ:- جو شخص سچے دِل سے شہادت کا طلب گار ہو اس کو شہادت دے دی جاتی ہے خواہ بظاہر وہ اس کو نہ ملی ہو (یعنی وہ اپنے بستر پر مرے)۔

(۶۰) صبح سویرے کام شروع کرنا

اپنے دن کا کام صبح سویرے شروع کرنے کی بھی حدیث میں فضیلت آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ:-

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا۔ (ترمذی)

ترجمہ:- یا اللہ! میری اُمت کے لئے اس کے سویرے کے کاموں میں برکت عطا فرما۔

اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے سونے سے منع فرمایا، اور اس کو بے برکتی کا سبب قرار دیا۔
(ابن ماجہ)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فجر کے متصل بعد سوتے ہوئے دیکھا تو ان کو جگایا اور سونے سے منع فرمایا۔

(ترغیب ج:۳ ص:۱۹۱ بحوالہ بیہقی)

(۶۱) بازار میں ذکر اللہ

جب انسان اپنے کاروبار کے لئے بازار میں جائے تو اس وقت تھوڑے تھوڑے وقفے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بہت اجر و ثواب کا کام ہے، حدیث میں ہے کہ جس جگہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں، وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایسا ہے جیسے جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگتے ہوئے انسانوں کے درمیان کوئی شخص ثابت قدم رہے۔ (ترغیب ج:۳ ص:۱۹۳ بحوالہ بزار و طبرانی)

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ مشہور تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بازار میں دو آدمیوں کی ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک نے دُوسرے سے کہا کہ: "آؤ! ایسے وقت جب لوگ غفلت میں ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کریں" یہ سن کر دُوسرے نے اِستغفار کیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک کا انتقال ہوگیا اور دُوسرے شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے: "جس شام ہم دونوں بازار میں ملے تھے، اس شام اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کی مغفرت فرمادی تھی۔" (ترغیب ج:۳ ص:۱۹۲ بحوالہ ابن ابی الدنیا)

یوں تو بازار میں جس ذکر کی بھی توفیق ہو جائے، خیر ہی خیر ہے، لیکن خاص طور پر بعض اَذکار کی فضیلت حدیث میں آئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص بازار میں داخل ہو کر یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھتے ہیں، ہزار ہزار (صغیرہ) گناہ معاف فرماتے ہیں، اور ہزار ہزار درجے بڑھاتے ہیں۔ (ترمذی)

ان کلمات کو خاص طور پر یاد کرلینا چاہئے اور بازار میں رہنے کے دوران ان کو بار بار پڑھتے رہنا چاہئے۔

(۶۲) بیچی ہوئی چیز کا واپس لے لینا

بعض اوقات ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید لیتا ہے، لیکن بعد میں کسی وجہ سے وہ واپس کرنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں بیچنے والے کے ذمے یہ واجب تو نہیں ہے کہ وہ ضرور بیچی ہوئی چیز واپس لینا منظور کرے، لیکن اگر وہ خریدار کی پشیمانی یا اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے واپسی منظور کرلے تو حدیث میں اس کی بھی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ اَقَالَ اَخَاهُ بَيْعًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(مجمع الزوائد ج: ۴ ص: ۱۱۰، بحوالہ معجم اوسط للطبرانی)

ترجمہ:- جو شخص اپنے کسی بھائی سے کی ہوئی بیع کو واپس لے لے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمائیں گے۔

(۶۳) کسی ضرورت مند کو قرض دینا

کسی ضرورت مند شخص کو قرض دینے کا بھی بہت ثواب ہے، حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہر قرض صدقہ ہے۔" (بیہقی وطبرانی)

بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورت مند کو قرض دینے کا ثواب صدقے سے بھی زیادہ ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی وبیہقی)

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض عموماً اتنی رقم دی جاتی ہے جس کے صدقہ کرنے کی نیت نہیں ہوتی، اور وہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو ضرورت مند ہوتا ہے، لیکن لوگوں سے مانگتا نہیں، لہٰذا اس کی ضرورت پوری کرنے میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔

(۶۴) تنگ دست مقروض کو مہلت دینا

کسی تنگ دست مقروض کو قرضے کی ادائیگی میں مہلت دینے کی قرآن وحدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (البقرۃ:۲۸۰)

ترجمہ:- اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو خوش حالی تک
اسے مہلت دی جائے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ اَنْـظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهٗ اَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ۔
(ترمذی، وقال: حسن صحیح)

ترجمہ:- جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے، یا اس کے قرض میں کمی کردے، اللہ تعالیٰ اس کو ایسے دن اپنے عرش کے سائے میں رکھیں گے جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "پچھلی اُمتوں میں سے ایک شخص کی رُوح فرشتوں نے قبض کی، اس سے پوچھا گیا کہ: کیا تم نے کوئی بھلائی کا عمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ: میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، اور اپنے کارندوں کو حکم دیا ہوا تھا کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے دیا کریں، اور جو شخص خوش حال ہو، اس سے بھی چشم پوشی کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرشتوں سے فرمایا کہ: تم بھی اس شخص سے چشم پوشی کرو۔ اور اس طرح اس کی مغفرت ہوگئی۔" (بخاری و مسلم)

(۶۵) تجارت میں سچ بولنا

تجارت کو بظاہر دُنیا داری کا کام سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر تجارت اس نیت سے کی جائے کہ اس کے ذریعے رزقِ حلال حاصل کیا جائے گا، اور اس سے اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کیے جائیں گے تو تجارت کا سارا کام اجر وثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے، بشرطیکہ اس میں ناجائز کاموں سے پرہیز کیا جائے۔ چنانچہ تجارت میں سچائی اور اَمانت کو اَپنا معمول بنانے والے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (ترمذی)

ترجمہ:- جو تاجر سچا اور امانت دار ہو، وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۶۶) درخت لگانا

مناسب جگہ پر درخت یا پودے لگانا بھی بڑے ثواب کا کام ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا، فَیَأْکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اِلَّا کَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اور
اس سے کوئی پرندہ یا انسان کھاتا ہے تو وہ اس کے لئے
صدقہ بن جاتا ہے۔

یعنی جو کوئی انسان یا حیوان اس درخت یا کھیتی سے فائدہ اُٹھائے گا، اس کا ثواب لگانے والے کو مسلسل ملتا رہے گا اور یہ اس کے لئے صدقۂ جاریہ بن جائے گا۔

(۶۷) جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک

اسلام نے انسانوں کی طرح جانوروں کے بھی حقوق رکھے ہیں، جو جانور موذی نہیں ہیں، ان کو بلاوجہ تکلیف پہنچانا منع ہے، یہاں تک کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، ان کو بھی ایسے طریقے سے ذبح کرنے کی تاکید کی گئی ہے، جس سے اس کو کم سے کم تکلیف پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذبح سے پہلے چھری کو تیز کر لیا جائے اور ذبح ہونے والے جانور کو جتنی زیادہ سے زیادہ راحت پہنچائی جاسکے، پہنچائی جائے۔ (ترمذی)

چنانچہ جانوروں پر ترس کھانا، ان کی پرورش کرنا اور ان کو آرام پہنچانا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کا اجر و ثواب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی اُمتوں کے ایک شخص کا واقعہ سنایا کہ اسے سفر کے دوران شدید پیاس لگی، تلاش کرنے پر اسے ایک کنواں نظر آیا جس پر ڈول نہیں تھا، وہ کنویں کے اندر اُترا اور پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی،

جب وہ پانی پی کر چلا تو اُسے ایک کتا نظر آیا جو پیاس کی شدّت سے مٹی چاٹ رہا تھا، اسے کتے پر ترس آیا کہ اس کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جیسی مجھے لگی تھی، چنانچہ اس نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اُتارا اور کنویں میں اُتر کر اس موزے میں پانی بھرا اور موزے کو منہ میں لٹکا کر کنویں سے باہر آ گیا، اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرمادی۔
(بخاری ومسلم)

(۶۸) موذی جانوروں کو ہلاک کرنا

البتہ جو جانور موذی ہوں، اور ان سے انسانوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، ان کو ہلاک کرنا بھی نیک عمل ہے، جس پر اجر وثواب ملتا ہے، مثلاً سانپ، بچھو کو مارنے پر بھی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ دیوار پر چلتا ہوا ایک سانپ نظر آیا، آپ نے خطبہ بیچ میں روکا اور ایک چھڑی سے سانپ کو مار کر ہلاک کر دیا، پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔

مَنْ قَتَلَ حَيَّةً اَوْ عَقْرَبًا فَكَاَنَّمَا قَتَلَ مُشْرِكًا حَلَّ دَمُهٗ۔ (ترغیب ج:۴ ص:۳۰۴ بحوالہ بزار)

ترجمہ:۔ جو شخص کسی سانپ یا بچھو کو ہلاک کرے تو اس کا یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی شخص اس مشرک کو قتل کرے جس کا خون حلال ہو۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی[1] کو بھی مارنے کا حکم دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص کسی چھپکلی کو پہلی ضرب میں ہلاک کرے، اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی، اور جو شخص اُسے دُوسری ضرب میں ہلاک کرے اُسے اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی (اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے کم نیکیاں بیان فرمائیں) اور جو شخص اُسے تیسری ضرب میں ہلاک کرے اُسے اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی (اور اس مرتبہ دُوسری سے بھی کم نیکیاں بیان فرمائیں)۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح دُوسرے موذی جانور جن سے انسانوں کو واقعی خطرہ ہو، ان کو مارنے پر بھی ثواب ملتا ہے۔

(۶۹) زبان کو قابو میں رکھنا

زبان اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے، اس کے ذریعے انسان چاہے تو اپنی آخرت کے لئے نیکیوں کے خزانے جمع کرسکتا ہے، اور اگر چاہے تو اپنی آخرت برباد کرسکتا ہے، اس لئے حدیث میں زبان کو قابو میں رکھنے اور کم گوئی کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے وقت پر نماز پڑھنا''

---

[1] یہ لفظ ''وزغہ'' کا ترجمہ ہے، اور حدیث میں قتلِ وزغہ کا حکم گرگٹ اور چھپکلی دونوں کو شامل ہے، ملاحظہ ہو ''امداد المفتین'' ص: ۲۲۹-۲۳۱۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَنْ یَّسْلَمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِكَ۔

(ترغیب ج:۴ ص:۳۰۳، بحوالہ طبرانی باسناد صحیح)

ترجمہ:- یہ بات کہ لوگ تمہاری زبان سے محفوظ رہیں۔

یعنی زبان کو دُوسروں کی دِل آزاری سے، غیبت سے، دھوکا دہی سے روکو۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: "نجات کا طریقہ کیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعَكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔ (ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ:- اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہوجائے، اور اپنے گناہ پر روؤ۔

گھر کے کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ بلاضرورت گھر سے باہر نکل کر فتنے میں مبتلا نہ ہو، اور گناہ پر رونے سے مراد گناہ پر اظہارِ ندامت اور توبہ کرنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "کیا میں تمہیں دو ایسے عمل نہ بتاؤں جن کا بوجھ انسان پر بہت ہلکا لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہے؟" حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَطُوْلِ الصَّمْتِ۔

(ترغیب ج: ۴ ص: ۳۱۲ بحوالہ طبرانی وابویعلی ورجالہ ثقات)

ترجمہ:- خوش اَخلاقی اور کثرت سے خاموش رہنے کی پابندی کرو۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدّرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات ارشاد فرمائی۔ (ایضاً بحوالہ ابوالشیخ)

⑦⓪ فضول باتوں اور کاموں سے بچنا

جس کام میں دُنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ نہ ہو، وہ فضول ہے، اور قرآن وحدیث میں فضول باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی بڑی تاکید اور ترغیب آئی ہے، قرآنِ کریم نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ (المؤمنون)

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو لغو (فضول) چیزوں سے اِعراض کرنے والے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ۔ (ترمذی)

ترجمہ:- انسان کے اچھا مسلمان ہونے کا ایک حصہ یہ

ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔

لہٰذا فضول بحثوں، بے فائدہ کاموں اور بے کار مشاغل سے پرہیز کرنے کا اہتمام کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

⑦۱ تا ⑦۶ چھ جامع نیکیاں

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ایسے اعمال بتائے جن کی پابندی کرنے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت لی ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ: اَدُّوْا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاَوْفُوْا اِذَا عَاهَدْتُّمْ، وَاصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ، وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ، وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ۔

(شعب الایمان للبیہقی ج:۴ ص:۳۲۰و۳۲۱ حدیث:۵۲۲۵۶)

ترجمہ:- مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس اَدا کرو، جب کسی سے کوئی معاہدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب بات کرو تو سچ بولو، اور اپنی شرم گاہوں کی (ناجائز کاموں سے) حفاظت

کرو، اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو (دُوسروں کو تکلیف پہنچانے اور گناہ کرنے سے) روکو۔

۷۷ دائیں طرف سے شروع کرنا

اچھے کاموں کی ابتدا دائیں طرف سے کرنا بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ عمل ہے، جس پر ثواب کی اُمید ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کام دائیں سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، وضو میں بھی، کنگھی کرنے میں بھی اور جوتا پہننے میں بھی۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

إِذَا لَبِسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِأَيَامِنِكُمْ۔

(ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ:- جب تم لباس پہنو اور وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ:- جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف
سے شروع کرے، اور جب اُتارے تو بائیں طرف سے
شروع کرے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا، اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے۔'' (صحیح مسلم)

اگر کوئی چیز تقسیم کرنی ہو تو بھی دائیں طرف سے تقسیم شروع کرنی چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا۔

بیت الخلا میں جاتے وقت بایاں پاؤں پہلے داخل کرنا چاہئے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے نکالنا چاہئے، اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اس کے برعکس دایاں پاؤں پہلے داخل کرنا چاہئے اور بایاں پاؤں پہلے نکالنا چاہئے، سنت کے اِتباع کی نیت سے اِن شاء اللہ یہ تمام کام باعثِ اجر و ثواب ہوں گے۔

یہ انتہائی آسان اعمال ہیں، اور ذرا سی توجہ اور عادت ڈالنے سے ان کے ذریعے اِتباعِ سنت کا نور حاصل ہوتا ہے، بچوں کو بھی شروع سے ان باتوں کا عادی بنانا چاہئے۔

۷۸ گرے ہوئے لقمے کو صاف کر کے کھالینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ اگر

کھانا کھاتے وقت کوئی نوالہ زمین پر گر جائے تو اسے اُٹھا کر جو مٹی وغیرہ لگ گئی ہو، اُسے صاف کر کے، اور ضرورت ہو تو دھو کر کھالینا چاہئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

جب تم میں سے کسی سے لقمہ گر جائے تو جو ناپسندیدہ چیز اس پر لگ گئی ہو، اُسے دُور کر کے اُسے کھالے اور اُسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے، پھر فارغ ہونے پر اپنی اُنگلیاں چاٹ لے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری شیطانی عمل ہے، اور اُٹھا کر کھالینے میں رزق کی قدر دانی ہے، چنانچہ ان اعمال پر اِن شاء اللہ ثواب ملے گا، لہٰذا ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں نام نہاد شرم سے پرہیز کرنا چاہئے، ہاں! اگر لقمہ اس طرح گر جائے کہ اُسے صاف کرنا ممکن نہ ہو تو بات دُوسری ہے۔

۷۹ چھینک آنے پر حمد اور اس کا جواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں اور جمائی کو ناپسند، پس جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے، اور جو شخص اس کو سنے اس پر پہلے شخص کا حق ہے کہ وہ "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کہے۔ (صحیح بخاری)

یہ اسلامی تہذیب کے وہ آداب ہیں جن کا ہر مسلمان عادی ہوا کرتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اب لوگ ان چیزوں سے بھی نا آشنا ہوتے جارہے ہیں، ان آداب کو پھر سے تازہ کرنے اور ان کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔

(۸۰) اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ اس کی ناراضی سے انسان ڈرتا رہے، اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا خوف وہ عمل ہے جس کی قرآنِ کریم اور اَحادیث میں جابجا تاکید کی گئی ہے، اوراس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں اس درخت کے سوکھے پتے گرنے لگے اور درخت پر صرف سبز پتے رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس درخت سے کیا مثال نکلتی ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس کی مثال اس مؤمن کی سی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی خشیت سے جھرجھری آجائے تو اس کے گناہ گر جاتے ہیں اور نیکیاں رہ جاتی ہیں۔'' (الترغیب ج:۵ ص:۲۲۷ بحوالہ بیہقی)

اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت دِل میں پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کا خیال دِل میں جمایا جائے، پچھلی اُمتوں کے انجام کو سوچا جائے، اور قرآن وحدیث میں نافرمانوں کے لئے جو عذاب مذکور ہے، اس کا

تصوّر کیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت دِل میں پیدا ہوگا، اور اس کے نتیجے میں گناہوں، بدعنوانیوں اور ظلم وزیادتی پر انسان کی جرأت کا خاتمہ ہوگا، اور اس کے نتیجے میں "تقویٰ" حاصل ہوگا جو تمام نیکیوں کی بنیاد اور دُنیا و آخرت میں انسان کی صلاح وفلاح کا واحد راستہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نعمت عطا فرمائیں، آمین۔

(۸۱) اللہ تعالیٰ سے اُمید اور حسنِ ظن

اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کے ساتھ اس کی رحمت سے اپنے لئے بھلائی کی اُمید رکھنا بھی بہت عظیم عمل ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ عِبَادَةِ اللّٰهِ۔ (ترمذی وحاکم)

ترجمہ:- (اللہ تعالیٰ سے) اچھا گمان رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی اچھی عبادت ہے۔

اور ایک حدیثِ قدسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:-

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَاَنَا مَعَهٗ حَیْثُ یَذْکُرُنِیْ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ:- میرا بندہ مجھ سے جو گمان رکھتا ہے، میں اس کے مطابق ہوں، اور جہاں وہ مجھے یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوں۔

غرض قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اچھی اُمید رکھنے کے بڑے فضائل وارِد ہوئے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش میں لگا رہے، اور جہاں اس کوشش کے باوجود غلطیاں اور کوتاہیاں ہوجائیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اُمیدوار رہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اَحکام سے بالکل غافل ہو، اپنی اصلاح کی مطلق فکر نہ کرے اور اپنے آپ کو بے لگام نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کے لئے آزاد چھوڑ دے، اور اس غفلت اور بے فکری کے باوجود یہ آرزوئیں باندھے کہ خود بخود مغفرت ہوجائے گی تو ایسے شخص کی حدیث میں سخت مذمت کی گئی ہے۔

صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کے ساتھ انسان اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت، اس کے ساتھ حسنِ ظن اور اس کی رحمت کی اُمید دونوں باتوں کو اس طرح جمع کرے کہ "بیم ورجا" کی ملی جلی کیفیت اس پر طاری رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے جو بسترِ مرگ پر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ: "تم کیا محسوس کرتے ہو؟" اس نے عرض کیا کہ: "یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ سے بہت اُمید ہے، لیکن ساتھ ہی اپنے گناہوں کا ڈر بھی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جس مؤمن کے دِل میں اس جیسے موقع پر یہ دو باتیں جمع ہوں اللہ تعالیٰ اس کی اُمید پوری فرمادیتے ہیں، اور اُسے اس کے خوف سے مأمون فرمادیتے ہیں۔" (ترمذی)